اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام

(ڈاکٹر) مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ
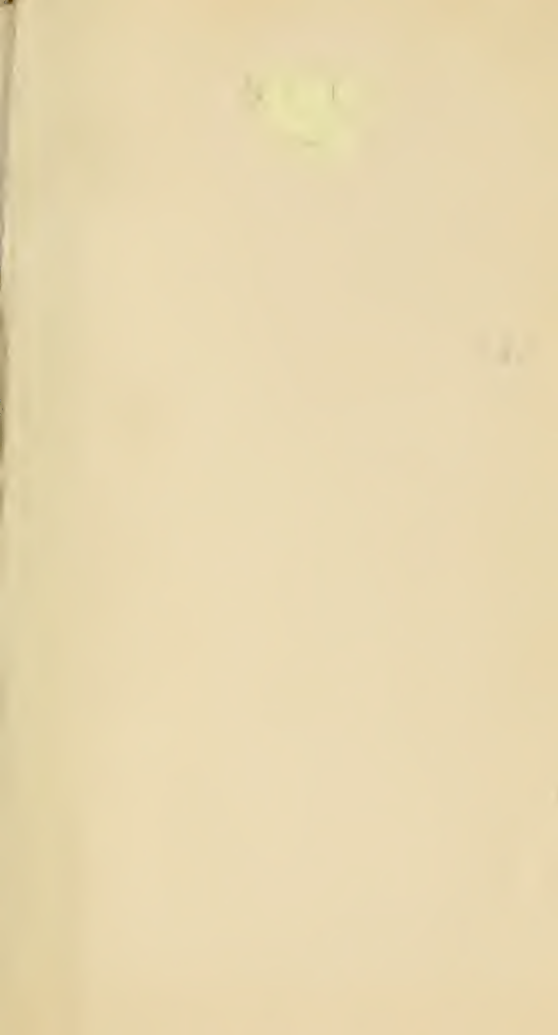
اُردو کی ابتدائی نشوونما

میں

صوفیائے کرام کا کام

نوشتہ

مولوی عبدالحق

ناشر

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

قیمت
ایک روپیہ

تعداد اشاعت
گیارہ سو

یونین پریس، دہلی

فہرست مضامین

اردو کی ابتدائی نشوونما
میں
صوفیائے کرام کا کام

صوفی صوف سے مشتق ہو یا صفا سے، وہ مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز ہے۔ اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہرداری کو جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں، روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ دیکھتا ہے اور یہ معنی کو۔ وہ رسمیات اور تقلید کا پابند ہے اور یہ ان سے بیزار۔ اس کی نظر برائی پر پڑتی ہے اور یہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے۔ وہ سختی اور تشدد کرتا ہے اور یہ نرمی اور ملائمت۔ وہ بہت کم معاف کرتا ہے اور اس کا شیوہ درگزر کرنا ہے۔ وہ خودی اور خود نمائی سے پڑا اینٹھتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس

کا محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو بھاتا ہے۔

مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اُسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضائقہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔ وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنی کو دیکھتا ہے۔ اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ دنیا سے ایک گونہ بے تعلق اور مولوی اس کے مقابلہ میں بہت زیادہ دنیادار ہوتا ہے مگر وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے۔ وہ دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہہ تک پہنچتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں، جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے۔ مولوی کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی۔ اس میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی، پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کے رکھ دیتا ہے۔ اور صحیح بھی ہے، جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ" دل بدست آور کہ حج اکبر است "، یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ حضرت رابعہ بصری کی نسبت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک بار فرمایا" اگر در ہوا پری مگسی،

اگر بر دریا روی خسی، اگر دل بدست آری کسی"۔ پیر استاد ہری کا ایک قول منقول ہے "نماز گزاردن کار بیوہ زنان است، روزہ داشتن صرفہ نان است۔ حج کردن کار بیکاران است، ولے دریاب کہ کار آنست"[1]

یہی وجہ ہے کہ علما و امرا بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے۔ اور فقیر کا دربار عام ہے۔ جہاں بڑے چھوٹے، امیر غریب، عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے۔ لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لیئے اُن کا اثر محدود ہوتا ہے اور اِن کا بے پایاں۔ اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبّار اور باجبروت بادشاہوں کو بھی اُس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

مسلمان درویش ہندستان میں پُرخطر اور دشوار گزار رستوں، سر بفلک پہاڑوں اور لق و دق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمان کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات اُن کی طبیعت کے مخالف تھی۔ جہاں کی آب و ہوا، رسم و رواج، صورت شکل اداب و اطوار، لباس، بات چیت غرض ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو۔ لیکن حال یہ ہے کہ انھیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں۔ لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا صبح و شام اُن کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے ہیں اور جن جن مقامات پر اُن کے قدم پڑے تھے وہ اب تک "شریف" اور "مقدس" کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ کیا بات

[1] قلمی نسخہ سرور الصدور صفحہ (۲۲۰) کتب خانہ نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب گنج

تھی ؟ بات یہ تھی کہ اُن کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امراء و سلاطین کے پاس ہے اور نہ علماء و حکما کے پاس۔

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لئے کھلا تھا۔ بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ اُن کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے۔ عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔ خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے۔ اس لیے تلقین کے لئے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سکیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انھیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا اگر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل **شارح اکھروتی** (تصنیف ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ) کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ جس کا اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے:-

> " و توہم نہ کند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبانِ عربی تکلم نہ کردہ، زیراکہ جملہ اولیا اللہ در ملکِ عرب مخصوص نہ بودہ۔
> پس بہر ملک کہ بودہ زبان آں ملک را بکار بردہ اند۔
> و گمان نہ نکنند کہ ہیچ اولیا اللہ بہ زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیراکہ اول از جمیع اولیا اللہ قطب الاقطاب۔
> خواجہ بزرگ معین الحق و الملۃ والدین قدس اللہ سرہٗ بدیں زبان سخن فرمودہ، بعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر

قدس اللہ سرہٗ و حضرت خواجہ گنج شکر در زبانِ ہندی و
پنجابی بعضے از اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم مشہور
اند۔ اشعار از دوہرہ و سورتہ و امثال آں نظم نمودہ۔
ہمچناں ہریکے از اولیا بدیں لسان تکلم می فرمودند تاکہ
عہدِ خلافت ایشاں با محقق مدقق رسید و وے دریں زباں
بسیارے از مصنفات از رسائل و مطولات تصنیف
فرمودہ ویکے از مصنفات وے الکھ دتی است "

افسوس کہ باوجود تلاش کے ہمیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کا کوئی معتبر قول ہندی زبان میں نہیں ملا، لیکن ان کی عالم گیر مقبولیت کو دیکھتے ہوئے یقینی امر ہے کہ وہ ہندی زبان سے ضرور واقف تھے کیونکہ ہندو بھی مسلمانوں سے کم ان کے معتقد نہیں۔ "ہند الولی" کی ترکیب اور "غریب نواز" کا لقب خود ان کی عام مقبولیت کی صاف شہادت دے رہے ہیں۔ البتہ شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے متعدد مقولے ملتے ہیں۔ مولانا سید مبارک معروف بہ میر خورد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کے مرید و مصاحب خاص تھے۔ انھیں کے پاس رہتے اور روز انہ فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنی تالیف سیر الاولیاء[۲] میں حضرت کے اقوال و حالات جو اپنے کانوں سنے اور آنکھوں دیکھے تھے مرتب کر کے لکھے ہیں۔

شیخ فرید الدین شکر گنج

اس کتاب میں حضرت شکر گنج کے دو ہندی قول بھی آ گئے ہیں وہ ہم عبارتِ متعلقہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

---

[۱] اس سے مراد ملک محمد جائسی علیہ الرحمتہ ہیں۔
[۲] مرتب کردہ و شائع کردہ چرنجی لال مطبوعہ مطبع محبِ ہند دہلی

منقول است چوں شیخ جمال الدین نقل کرد مادرِ مومناںؒ کہ
کہ خادمہ شیخ جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما بود، مصلیٰ وعصائے
شیخ جمال الدین کہ از شیخ شیوخ العالم یافتہ بود، مولانا
برہان الدین صوفی پسر خورد شیخ جمال الدین کہ پدر شیخ
قطب الدین منور بود، در عالم صغر بود، بخدمت شیخ
شیوخ العالم برد، شیخ شیوخ العالم بہ مرحمت مولانا
برہان الدین مذکور اتعظیم وتکریم نمود وبہ شرف ارادت
وبیعت خود مشرف گردانید۔ چند روز برخود داشت د
بوقت مراجعت خلافت نامہ و آں مصلیٰ وعصا بنعمتے
کہ مولانا شیخ جمال الدین رواں کردہ بود، بہ مولانا برہان
الدین صوفی بخشید و فرمود چنانچہ جمال الدین از جہت ما
مجاز بود تو ہم مجازی وایں ہم فرمود باید کہ چندگہے در
صحبتِ نظام الدین باشی یعنی سلطان المشائخ دریں
محل مادرِ مومنان بخدمت شیخ شیوخ العالم عرض داشت
کرد بزبان ہندی کہ "خوجا بالا ہے" یعنی خورد است ایں

لہ شیخ جمال الدین ہانسوی الخطیب حضرت شکر گنج کے محبوب و معظم خلیفہ تھے چنانچہ
خص اُن کی محبت کی وجہ سے بارہ سال تک ہانسی میں مقیم رہے۔ شیخ جمال الدین
کی ایک کنیز خادمہ تھی جو بہت صالحہ تھی اور ان کے عرائض حضرت شیخ شکر گنج
کے پاس لے جایا کرتی تھی۔ حضرت گنج شکر انھیں "مادرِ مومنان" فرماتے تھے۔
اسی وقت سے یہ لقب ان کا پڑگیا۔
لہ حضرت شیخ شکر گنج قدس سرالعزیز سے مراد ہے۔

بارگراں را طاقت نتواند آورد۔ شیخ شیوخ العالم قدس سرہ العزیز فرمود بزبان ہندی "پوتوں کا چاند بھی بالا ہے" یعنے شب ماہ چہار دہم در اول شب خورد می باشد کہ بتدریج بہ کمال می رسد"[1]

اس کتاب میں ایک دوسری جگہ ایک اور واقعہ لکھا ہے جس کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

شیخ علی صابر ساکن قصبہ ڈیگری ایک بزرگ، درویش تھے اور اکثر شیخ شیوخ العالم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ان کو شیخ سے اجازتِ بیعت بھی تھی۔ ایک وقت جب کہ بعض بزرگوں کو جنھیں شیخ نے دولتِ خلافت سے مشرف کیا تھا، ایک ایک کرکے وداع فرما رہے تھے اور مخصوص وصیتیں کر رہے تھے اور ایک ایک شخص ان کے ہمراہ کر رہے تھے۔ اس اثنا میں شیخ علی صابر نے عرض کی کہ بندہ کے باب میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا "اے صابر بڑ بھوگہا خاہی کرد" یعنی تراعیش خوش خواہد گذشت[2]

جمعات شاہی میں جو حضرت شاہ عالم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے حضرت شکر گنج کا یہ منظوم قول نقل کیا جاتا ہے۔

اسا کیری یہی سوریت جاؤں تائے کہ جاؤں میت

اس کے علاوہ حضرت کی بعض نظمیں بھی ملتی ہیں۔ چنانچہ ایک پرانی بیاض میں مجھے یہ نظم دستیاب ہوئی:۔

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک
پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

---

[1] سیر الاولیا صفحہ ۱۸۲۔ (۲) سیر الاولیا صفحہ ۱۸۵

ریش بہلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑواں سے نہ کوئی بڑے ہوتے
خاک لانے سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں
گوش گری میں گر خدا ملتا
گوش چویاں (پکنا) کوئی نہ داخل تھا

عشق کار موز نیارا ہے — جز مدد پیر کے نہ چارا ہے

کئی سال ہوئے محمد غنیم صاحب ڈسنوی بہاری کا ایک خط مجھے موصول ہوا، جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ الاصلاح ڈیسنہ کی ایک قلمی کتاب کی جلد خراب ہو گئی تھی جب اس کی نئی جلد بندھنے کو دی تو جلد کے اندر ایک کاغذ لگا ہوا ملا جس پر حضرت شیخ فرید گنج شکر کی یہ غزل ریختہ لکھی ہوئی تھی:-

وقتِ سحر وقت مناجات ہے	خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا	خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن تنہا چہ روی زیر زمیں	نیک عمل کن کہ وہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو	ضایع مکن عمر کہ ہیہات ہے

مجھے حضرت کی ایک نظم "جھولنا شیخ فرید شکر گنج" کے نام سے ملی ہے یہ چار صفحے کا رسالہ ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر اس کے لکھتا ہوں:-

(سگن ذکر جلی)

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں،
اٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں

لہ بجرے سلہ لگانے سلہ اصل مسودے میں کاتب نے باتن کو باطن اور زیر کو زبر لکھ دیا ہے۔

پاک رکھ توں دل کو غیر ستی آج سائیں فرید کا آوتا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سیں لازوال دولت کوں پاوتا ہے

حضرت شیخ شکر گنج کا سنہ ولادت ۱۱۷۳ء/۵۶۹ھ اور سنہ وفات ۱۲۶۵ء/۶۶۴ھ ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید و خلیفہ تھے اور پاک پٹن میں قیام تھا۔

شیخ حمید الدین ناگوری

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری ولادت ۱۱۹۲ء/ ۵۹۰ھ اور سنہ وفات ۱۲۷۴ء/ ۶۷۳ھ کا ایک واقعہ خود ان کی زبانی سرور الصدور میں یوں لکھا ہے:۔

"شیخ بزرگ (شیخ حمید الدین ناگوری) فرمودند اگرچہ جدۂ شما سبب بیان می کنند و لیکن ہمہ از کرامت است۔ وقتے پیش ایشاں می گزشتم خورد بودم و ایشاں بر کھٹ بودند ہیں کہ نزدیک ایشاں رفتم دست بگرفتند و بزبانِ ہندی گفتند می دانی جد تو کیست، گفتم بی بی۔ چگونہ، گفت از جد تو ہیچ کس بجز پیغمبر ش بزرگ نیست۔" [۱]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ان بزرگوں کے گھروں میں بھی ہندی بول چال کا رواج تھا اور چونکہ یہ ان کے مفید مطلب تھا اس لئے وہ اپنی تعلیم و تلقین میں بھی اسی سے کام لیتے تھے۔

اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زبان جسے ہندی کہتے تھے اور جو باوجود تغیر و تبدل کے کچھ مدت قبل تک ہندی کہلاتی رہی ہے اور اب اردو کے نام سے موسوم ہے کس طرح ہمارے ملک میں اندر باہر چھائی ہوئی تھی۔

---

[۱] سرور الصدور صفحہ (۲۲۰)

شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی (وفات سنہ ۷۲۴ھ/۱۳۲۴ء) بڑے صاحب جلال اور صاحب اثر بزرگ ہوئے ہیں۔ جب علاؤالدین خلجی اپنے چچا جلال الدین خلجی کو قتل کر کے تخت و تاج پر قابض ہوا تو اس نے اپنی اس سفاکی پر پردہ ڈالنے کے لئے لشکریوں نیز دوسروں کو اپنی داد و دہش سے خوش کرنے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کے مصاحبوں نے کہا کہ حضرت بو علی قلندر کو خوش کرنا بہت ضروری ہے۔ اگر ان کی نظر آپ کی طرف سے پھری رہی تو رعایا میں ہر دلعزیزی حاصل کرنا دشوار ہوگا۔ علاؤالدین نے چاہا کہ اپنی طرف سے کسی کو ان کی خدمت میں بھیجے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ آخر امیر خسرو اس کام پر متعین ہوئے۔ انھوں نے گا بجا کر حضرت کو خوش کر لیا۔ اس کے بعد حضرت نے بھی اپنا کچھ کلام سنایا جسے سن کر امیر خسرو بہت آبدیدہ ہوئے۔ حضرت نے فرمایا "تو کا کچھ سمجھ دا ہے" امیر خسرو نے کہا اسی لئے تو روتا ہوں کہ کچھ نہیں سمجھتا۔

صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں کہ "ہجری ساتویں صدی بعہد محمد تغلق شاہ و علاؤالدین خلجی جس زبان کا رواج تھا۔ اس کی وجہ سے جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر صاحب کی زبان مبارک سے مبارز خاں صاحب کے ارادۂ سفر کے موقع پر نکلا، کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوے

اسی مضمون کو آپ نے فارسی میں اس طرح ادا کیا ہے۔

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب
یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

امیر خسرو سلطان الاولیا شیخ نظام الدین (ولادت سنہ ۶۳۶ھ/۱۲۳۸ء وفات ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) سلسلۂ چشتیہ میں عجب صاحب کمال، وسیع مشرب، صاحبِ دل اور صاحبِ ذوق بزرگ گزرے ہیں۔ ہر ملت و مشرب کے لوگ ان کے ہاں حاضر ہوتے اور ان کے عرفان و زندہ دلی سے فیض پاتے تھے۔ انھوں نے کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا اور بعض بادشاہوں نے ہر چند یہ چاہا کہ وہ ان کے دربار میں حاضر ہوں اور اس معاملے میں سختی سے بھی پیش آئے مگر شیخ نے مطلق پروا نہ کی اور آخر ان جبار بادشاہوں کو نادم ہونا پڑا اور کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ان پر ہاتھ ڈالے۔ آپ سماع کے بہت شائق تھے اور ہندی راگ کی بہت سرپرستی فرماتے تھے۔ ہندستان کے اکثر اولیا اللہ نے ہندی موسیقی کو بھی اپنی سرپرستی سے بڑی ترقی دی اور اس میں خاص ذوق اور کمال حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ بہاء الدین برناوی وغیرہ اس فن میں بڑے کامل گزرے ہیں۔ امیر خسرو کو بھی سلطان الاولیا ہی کی درگاہ سے فیض پہنچا تھا۔ وہ ان کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اکثر ان کے نغموں کو سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ امیر خسرو نے موسیقی میں جدتیں دکھائی ہیں اور فارسی اور ہندی موسیقی کو ملایا ہے۔ اور زیادہ تر غالباً یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہندی میں نظمیں اور دوہے لکھے۔ افسوس ان کا ہندی کلام اب تک دستیاب نہیں ہوا۔ تذکروں میں کہیں کہیں بعض چیزیں مل جاتی ہیں میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا یہ قطعہ لکھا ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا کچھ گھڑیئے سنواریئے پکارا
نقد دل من گرفت و شکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

ریختہ اسی کا نام ہے جس میں فارسی ہندی دونوں ملی ہوئی ہیں اور یہیں سے

اردو کی ابتدا ہوتی ہے۔

ایک مشہور غزل ریختے کی ان کے نام سے تذکروں میں ملتی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کوں جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک ازدل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے علاوہ بیسوں پہیلیاں انملیاں اور کہ مکرنیاں وغیرہ ان کے نام سے مشہور ہیں جن کی صحت کا اس وقت کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔

بالا تھا جب سب کو بھایا
بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس ناؤں
بوجھے نہیں تو چھوڑو گاؤں (چراغ)

دس نا ری ایک ہی نر
بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
منہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

شیخ سراج الدین عثمان

تاریخ فرشتہ میں منقول ہے کہ شیخ سراج الدین عثما

روف بہ اخی سراج وفات ۷۵۸/۱۳۵۶ء جو سلطان اولیا کے مرید اور خواجہ
یر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔ بعد وفات سلطان اولیا بنگالہ سے دہلی آئے
ر حضرت چراغ دہلی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ خواجہ نے فرمایا کہ بنگالہ جاؤ
ھوں نے کہا وہاں پہلے سے شیخ علاؤالدین تن موجود ہیں اور مرجع خلائق
ں۔ وہاں میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس پر خواجہ صاحب نے
رمایا "تم اوپر وہ تل"

نخ شرف الدین یحییٰ منیری اسی زمانے کے ایک بزرگ اور صوفی کامل
خ شرف الدین یحییٰ منیری ہیں۔ ولادت سنہ ۶۶۲/۱۲۶۳ء وفات سنہ ۷۸۲/۱۳۸۰ء
ر بہار کا ایک قصبہ ہے اور اسی سے منسوب ہیں۔ پوربی اور ہندی بھاشا کے
ان تھے۔ اب تک ان کے بتائے ہوئے منتر سانپ بچھو اور سایہ کے اتارنے
ر دفع امراض اور جھاڑ پھونک کے لئے پڑھتے ہیں جن کے آخر میں اُن کی دُہائی
تی ہے۔ پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب میں مولوی محبوب عالم صاحب کی
اض سے ایک نج مندرہ نقل کیا ہے۔ میرے ایک دوست کو بھی اسی قسم کا
انپ کے زہر اتارنے کا منتر یاد ہے۔ اور وہ اس کے عامل ہیں۔ اسی قسم کی
ارت ہے اور وہی شاہ صاحب کی دہائی ہے۔ ان منتروں اور نج مندروں
سے اس زمانے کی پوربی بولی کا کچھ یوں ہی سا اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ اس میں
ر دوہرے آگئے ہیں وہ ضرور قابل لحاظ ہیں۔ وہ یہ ہیں:

کالا ہنسا نہ ملا بسے سمندر تیر
پنکھ پسارے بکہ ہرے نرمل کرے سریر

درد رہے نہ پیڑ

غرف حرف مائل کہیں درد کچھ نہ بسائے
گرد چھوئیں دربار کی سو درد دور ہو جائے

حضرت شاہ برہان الدین غریب

حضرت نظام الدین اولیا کا فیض بہت
میں دور دور پہنچا ہے۔ حضرت شاہ برہان الدین (وفات سنہ ۱۳۳۷/۷۳۸ء)
جو برہان الدین غریب کے نام سے مشہور ہیں آپ کے اکابر خلفاء میں سے تھے
جس وقت سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کو ہندستان کا دارالسلطنت
بنایا اور ساری دلّی کو اجاڑ کر یہاں لا بسایا تو اس وقت شیخ برہان الدین اا
سلطان جی کے بہت سے خلفا اور مرید دولت آباد آئے۔ دکن کی خلافت
شیخ برہان الدین اور ان کے بڑے بھائی منتخب الدین کو عطا ہوئی یہ لوگ
یہیں رہ گئے اور یہیں انھوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت سید علاؤالدین ضیا چشتی (دولت آبادی) کے احوال میں یہ منقول
کہ جب سلطان جی نے حضرت برہان الدین غریب کو دکن جانے کا حکم دیا تو
ہی یہ بھی فرمایا کہ "میری پیر زادی دولت آباد میں قیام فرما ہیں۔ ان کی خدمت میں
سرگرم رہنا" اس سے مراد حضرت بیوی عائشہ بابا فرید شکر گنج کی صاحبزادی
ہیں۔ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ بیوی عائشہ
ایک بیٹی تھیں جو بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ایک بار جو آپ حسب معمول
بعد نماز جمعہ حاضر ہوئے تو ان کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی اور ان کو دیکھ کر
متبسم ہوئے۔ بیوی عائشہ نے بہ زبان ملتانی فرمایا:۔

"اے برہان الدین! ساڈی دھیہ کہ کہیا ہنسدا ہے" یعنی اے برہان الدین
تو ہماری لڑکی کو دیکھ کر کیوں ہنستا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ یہ بزرگ مقامی اور وطنی بولیوں کو بلا تکلف بولتے تھے
ور اس کے استعمال سے کبھی عار نہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے
لئے ضروری سمجھتے تھے۔

ضرت گیسو دراز بندہ نواز سلطان جی کا فیض دکن میں ایک اور ذریعے سے بھی
نچا ہے۔ حضرت کے بہت بڑے خلیفہ اور جانشین شیخ نصیر الدین چراغ دہلی تھے۔
لطان جی انھیں بوجہ کثرت فضل و دانش "گنج معانی" کہا کرتے تھے۔ انھیں کے
یفہ و مرید سید محمد ابن یوسف الحسنی الدہلوی (وفات سنہ ۸۲۵ ہجری) تھے جو
سو دراز کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد جب
نہ ۱۳۹۸ء/ ۸۰۱ھ میں گجرات کے رستے مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے
کن روانہ ہوئے تو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بہت سے مرید ان کے ہمراہ
و لئے اور اس قافلے کے ساتھ سنہ ۸۱۵ ہجری میں حوالی حسن آباد گلبرگہ میں فائز
دئے۔ وہ زمانہ فیروز شاہ بہمنی کا تھا۔ بادشاہ کو جب فیروز آباد میں آپ کے
نے کی خبر ہوئی تو تمام ارکان و امرائے دولت اور اپنی اولاد کو اُن کے
ستقبال کے لئے بھیجا۔ بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں جو بعد میں اس کا جانشین
نا ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور
رزمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہنچاتے رہے۔

حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا
نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث، او تصوف اور سلوک کا درس
یا کرتے تھے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی جو لوگ
بی فارسی سے واقف نہ تھے ان کے سمجھانے کے لئے ہندی زبان میں

تقریر فرماتے تھے۔

مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم و نثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی زبان یعنی قدیم اردو میں ہیں، اس خاندان کے کسی معتقد نے بڑے اہتمام و احتیاط سے جمع کئے ہیں۔ اس کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ ہجری ہے۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت بندہ نواز گیسو دراز سے نسبت ہے اس لئے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال وغیرہ اس میں پائے جاتے ہیں۔ من جملہ ان کے ایک مثلث بھی ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

او معشوق بے مثال نور نبی نہ پایا
اور نور نبی رسول کا میرے جیو میں بھایا
اپیس اپیں دیکھاوے کیسی آرسی لایا

حضرت گیسو دراز صاحب تصانیف کثیرہ تھے، یہ زیادہ تر فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ انھوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لئے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے۔ ان کا ایک رسالہ "معراج العاشقین" میں مرتب کرکے شائع کر چکا ہوں۔ اس کا سنہ کتابت ۹۰۷ ہجری ہے۔ اس کی زبان کا نمونہ یہ ہے۔

اے عزیز! اللہ بندہ بنا یہاں پچھان کو
جانا، یمن تو شرع جاتا ہے اول اپنی
پچھانت بعد از خدا کی پچھانت کرنا

" انسان کے بوجنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں ہور پانچ دربان ہیں۔ پہلا تن واجب الوجود، مقام اس کا

ثانی نفس اس کا امارہ . . . . یعنے واجب کی آنکھ سوں غیر
نہ دیکھنا سو حرص کے کان سوں غیر نہ سننا سو حسد نک سوں
بد بوئی نالینا سو، بغض کی زبان سوں بدگوئی نہ کرنا سو، کینا
کی شہوت کوں غیر جاگا خرچنا سو۔ پیر طبیب کامل ہونا، نبض
پہچان کوں دوا دینا۔"

علاوہ اس رسالے کے میرے پاس آپ کے متعدد اور رسالے اس زبان
میں، تلاوت الوجود، دُرالاسرار، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسایل وغیرہ۔
یہ زبان ان کی قدیم ہے لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انھیں کی تصنیف ہیں
ان سے منسوب ہیں۔ بیاض مکتوبہ ۱۰۰۶ھ کے علاوہ دو اور بیاضوں میں ان
ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں ملی ہے۔ جس کی نسبت یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا
انھیں کی ہے۔ البتہ مقطع میں تخلص انھیں کا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

توں تو صحی ہے لشکری کر نفس گھوڑا سار توں
ہوے نرم نہ تجھ اد چڑے پس کہائے گا آزار توں
پنج گھوڑا زور ہے خود خیال اس کا ہور ہے
تن لوٹنے کا چور ہے نہ چھوڑ اس بدکھار توں
گھوڑے کوں بھیتر گھوڑ ہے اس کوں نہ حکمت ہور ہے
ہر دم ذکر سوں توڑ ہے غافل نہ ہو ہشیار توں
کرد مکلا دل گیان کا انعام دے خوش دھیان کا
چار اکھلا ایمان کا رکھ باند اپنے دار توں
خوگیر شریعت نعل بند زین ہے طریقت زیر بند
حق ہے حقیقت پیش بند تنگ معرفت اختیار توں

دوہے رکاباں نیک بد رکھنا قدم توں دیکھ حد
کچھ ہو پڑے گا دیکھ تب توبہ کی چابک مار توں
تب قید گھوڑا آئے گا تجھ لا مکاں لے جائے گا
تب عشق جھگڑا پائے گا خود مار لے ترواز توں
شہباز حسینی کھوئے کر ہر دو جہاں دل دھوئے کر
اللہ آپے یک ہوئے کر تب پاوے گا دیدار توں

یہ صوفی بزرگ ہندستان کے ہر صوبے اور خطے میں پھیلے ہوئے
اسی زمانے کے قریب ہم گجرات میں حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ عالم
نام پاتے ہیں جو وہاں مرجع خلایق تھے۔

حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم

سید برہان الدین ابو محمد عبداللہ المخ

یہ قطب عالم ابن سید ناصر الدین ابن سید الاقطاب مخدوم جہانیاں بخاری سنہ ۸۰۰ / ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۴۴۶ / ۸۵۰ھ میں وفات پا گئے۔ دس سال عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے حقیقی چچا اور مخدوم جہانیاں کے مرید و خلیفہ راجو قتال ان کی پرورش و تربیت کے متکفل ہوئے۔ دو سال بعد سنہ ۱۴۰۰ / ۸۰۲ھ میں اپنی والدہ کے پاس پٹن میں آ گئے۔ سلطان احمد گجرات کا بادشاہ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ اور جب اس نے احمد آباد بسایا تو پٹن سے احمد آباد آ گئے۔ بعد ازاں موضع بٹوہ میں قیام فرمایا اور وہیں انتقال کیا۔ اس موضع کے قیام کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک روز شب کو نماز تہجد کے لئے اٹھے صحن میں ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس سے ٹھوکر لگی۔ پانو میں چوٹ آئی اور خون بہنے لگا۔ اس وقت آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا" لوہا ہے کہ لکڑی

نہ پتھر ہے!"[1]

ایک دوسرا واقعہ یوں مذکور ہے کہ جب آپ کے فرزند سید شاہ محمود معروف
شاہ بڈھ کے ہاں شاہ راجو پیدا ہوئے (جو اپنے اور بھائیوں سے چھوٹے تھے) تو جس
وقت ان کے تولد کی خبر آپ کو پہنچی تو شاہ محمود سے جو سامنے بیٹھے تھے فرمایا "بھائی
محمود خوش ہوا ساں تھیں ڈڈا تساں تھیں وڈا اسانڈے گھر جلال جہانیاں آیا"[2]

ان کے فرزند اور خلیفہ حضرت شاہ عالم فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت
قطب عالم کے حجرۂ مشغولی میں جا پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ سخت بے چین اور مضطرب
ہیں اور دیوار پکڑے سارے حجرے میں پھر رہے ہیں اور یہ ہندی کلمات زبان
پر جاری ہیں۔

"محمد پریں کھڑیا سائیں پریم چکھائے"

(جمعات شاہیہ)

حضرت سراج الدین ابوالبرکات سید محمد مشہور بہ شاہ عالم حضرت شاہ قطب عالم
کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ ان کے ایک مرید نے ان کے اقوال و ملفوظات ایک
کتاب میں جمع کئے ہیں جس کا نام جمعات شاہی ہے۔ اس میں حضرت قطب عالم
اور شاہ عالم وغیرہ کے متعدد اقوال ہندی اور گجراتی میں پائے جاتے ہیں۔ ان
میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا۔

(۱) کاندھی کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے
سکیں کا راجا تم سر کوئی نہ بوجھے

فرمودند اگرچہ بزبان ہندی است اما موافق عربی است۔

(۲) ایک روز فرمایا کہ حضرت قطبیہ کے عہد میں میرے سر پر کچھ دیوانگی سی سوار
تھی جو کوئی کچھ سوال کرتا تو خدا سے دعا کرتا اور ہر ایک کا حال برملا کہہ دیتا۔ کسی

[1] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۷ [2] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۸۔

سے کہتا کہ تیری عمر اس قدر باقی ہے، کسی سے کہتا تیرے بیٹا ہوگا اور کس
سے کچھ کسی سے کچھ۔ فرماتے ہیں کہ بعد وصال حضرت قطبیہ دقطب عالم
نے یہ بات میرے دل میں ڈالی۔

"ابے چھوکرا، بے ادبی بگزار و گستاخی مکن۔"

فرماتے ہیں کہ کسی نے ذکر کیا ہے کہ سقایہ میں خدا کا نام نہیں لیتا
میں نے آہستہ سے کہا کہ اس کا کیا کروں حق تعالیٰ خود مجھے نہیں چھوڑتا۔ بادشا
گھوڑے پر سے نہیں اترتا۔ گھوڑا بیچارہ کیا کرے۔

ایتو بدو بر بھویا کیں اکھارے
ہوں لاج مروں بیگ نیارہ نہوے

ایک روز حضرت شاہ عالم گھڑبہل میں سوار جارہے تھے اور میاں مخدو
شاہ (احمد) بھی ہمرکاب تھے۔ سلطان شاہ غزنی قدس سرہ جو سلاطین گجرات
کے اعزہ میں سے تھے گھوڑے پر سے اترے اور سلام آداب کچھ نہ کیا میاں
مخدوم نے کہا کہ حضرت آپ نے اس جوان کے غرور دکبر کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ
نے ہندی زبان میں ارشاد کیا۔

"ارجن جی کا ادنہ بھایا ہوئے تو تجھ سے فقیروں کی برسوں
یتن کتاسی کرے" [۱]

ایک روز سید محمد راجو قتال کے مناقب کا ذکر آیا یہ سید الاقطاب
مخدوم جہانیاں کے چھوٹے بھائی اور حضرت قطب عالم کے چچا تھے
ان کی والدہ کا نام جنت خاتون تھا۔ حضرت مخدوم نے ان کے حق میں
زبان اُچھ میں فرمایا۔

---

[۱] تحفۃ الکرام صفحہ ۱۴۱

"تساں راجے ۔ اساں خواجے "
یعنے
تم بادشاہ اور ہم وزیر

حضرت سید محمد جونپوری حضرت سید محمد جون پوری بہت بڑے بزرگ اور صاحب تصرف گذرے ہیں ۔ ان کے مرید اور پیرو انھیں "مہدی آخرالزماں" مانتے ہیں ۔ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان کا بہت سا زمانہ سیاحت میں گزرا ان کے بعض اقوال فرقہ مہدویہ کی کتابوں میں اب تک محفوظ ہیں ۔ ان میں سے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں ۔ باوجود علم وفضل کے وہ اکثر ہندی یا گجراتی میں تخاطبت فرماتے تھے ۔

(۱) شیخ احمد کھٹو[۱] کی نسبت آپ نے فرمایا " روپیٹے خدا کوں پوچھے ۔ " (یعنی بہ گریہ وزاری خدا رسید) از تاریخ سلیمانی جلد اول ۔

(۲) خراسان کے سفر میں سلطان حسین کی فوج نے آپ کے اصحاب کو تکلیف دی اور جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو اس کی معذرت کی ۔ اس وقت سلطان کے سفیر کے سامنے یہ جملہ فرمایا " شہ کی چوٹ شکر کی پوٹ "

(۳) حج کے سفر میں یہ دوہرا فرمایا ۔

---

[۱] احمد کھٹو مشہور بہ گنج بخش بہت بڑے بزرگ اور شیخ وقت گذرے ہیں ۔ ۸۰۶ھ میں بہ عہد حکومت مظفر خاں گجرات میں آئے سنہ ۸۴۹ ہجری میں انتقال فرمایا موضع کھٹو میں مدفون ہیں (تحفۃ الکرام صفحہ ۲۲ مرآۃ احمدی صفحہ ۵۰)

ہوں بلہاری سجنا ہوں بلہار
ہوں سر جن سہرا ساجن مجھ گل ہار

(از شواہدالولایت)

(۴) رحلت سے کچھ پہلے یہ دوہرا ارشاد کیا:۔

ہیر وتت[۱] پکھال توں کان پر دھوے مدھوے
اوجھل ہوویں نجھوت سی سکھ نندری ناسوے

یہی دوہرہ بیدر میں قاضی علاؤالدین بیدری کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ (شواہدالولایت)

(۵) (۶) ذیل کے دو دوہرے مجھے اسرار عشق تصنیف مومن ۱۰۸۰ھ/۱۶۹۱ء کے ایک قدیم نسخے میں ملے ہیں جس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

"این کتاب مسمی با سرار عشق محض ابتدا تا انتہا شرح نقل مقدسہ سید محمد مہدی موعود است وسوائے ایں حرف نیست نقل ایست کہ مہدی علیہ السلام فرمود" تمام عالم مصطفیٰ کے ولایت کا صفت کرنے ہیچ ہوا۔ ہمارے ماسنے دو گوجری دھیان میں مصطفیٰ کی ولایت کی صفت کئے۔"

دوہرہ

چندر کہے ترایں[۲] کوں سورج دیکھو آئے
ایسا بھگونت جو بیٹھے دشت پاپ چھڑ جائے

دوہرہ دیگر

---

[۱] رہراتت؛ [۲] (نسخہ) ترامن۔

تو روپ دیکھ جگ موہیا چند ترایںؔ بھان
اکھیں روپ بہن ہوؤں کو دہی نہ ہوئے آن

ایں تمام کتاب شرح و تفسیر ہیں دو ددہرا ہا است۔"

آپ کی ولادت سنہ ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء اور وفات ۹۱۰ھ/ ۱۵۰۴ء میں بہ مقام فراح (بلوچستان) واقع ہوئی وہیں مدفون ہوئے۔

شیخ بہاء الدین باجن شیخ بہاء الدین باجن (ولادت سنہ ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء وفات سنہ ۹۱۲ھ/ ۱۵۰۷ء) برہان پور کے اولیا اللہ میں سے ہیں۔ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے۔ آپ کی ایک کتاب "خزانۂ رحمت" ہے جس میں اپنے مرشد کے ملفوظات اور ارشادات جمع کئے ہیں بقول صاحب تاریخ برہان پور:۔

"اُس زمانے میں جو ملک ہند کی طرز زبان تھی اس طور پر کلمات شعر بہ مضمون تصوف کبھی کبھی موزوں فرماتے تھے"

از آنجملہ یہ ہے پردۂ پوربی میں۔

یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے
مندل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے
صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

پروفیسر شیرانی نے ان کے متعدد اشعار لکھے ہیں۔ ان میں دو ایک یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

ف (نسخہ) ترامن

یہ نتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے
اول آن چھل بہت چھلائے آں چھوہری بہتی کمائے
آں رو کر بہت رلائے
یہ نتنی کیا کسی سے ملتی ہے جب ملتی ہے تب چھلتی ہے

محمد سردر پریم کا رحمت اللہ بھریا
یا جن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

روزے دھر دھر نماز گزاری دینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چھومک نا ہیں آگیں کھیں بات

شیخ عبدالقدوس گنگوہی

شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ولادت سنہ ۱۴۵۵ء/۸۶۰ھ وفات ۱۵۳۸ء/۹۴۵ھ) شیخ محمد بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری کے مرید اور صاحبِ تصانیف کثیرہ ہیں۔ وہ ہندی کے شاعر تھے اور الکھ داس تخلص کرتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف "رُشدنامہ" ہے جس میں تصوف اور وحدت وجود کے نکات بیان کئے ہیں۔ اس میں جگہ جگہ ہندی دوہرے اپنی تصنیف کے لکھے ہیں۔ اس میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں۔

یہ جگ ناہیں باج پی بوجھ یہ ہم گیان
سو پانی سو بلبلا سوئی سردر جان
ایکی اوہو ایکی ماس ایکی سردر ایکی ہانس
گرنکھ بوجھ یہ ہم گیان تیں ترلوک ایک کے جان

دھن کارن پی آپ سنوارا | بن دھن سکھی کنت کنھارا
نہ کھیلے دھن ماہنیں ایواں | باس پھول مہنن اچھے جیواں
کیوں نہ کھیلوں تج سنگ یتا | تجھ کارن تیں اِتیا کیتا
انکھ داس آکھے سُن ہوئی | سوئی پاک ارتہ پہن ہوئی

جدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں ہور نکوئے
دیکھا بوجھ بچار میں سبھی آپیں سوئے

ایک شعر ریختہ کے نام سے بھی لکھا ہے:۔

صدق رہبر صبر توشہ دشت منزل دل رفیق
ست نگری دھرم راجا جوگ مارگ

دوسرے مصرع کا مطلب۔ صدق و راستی شہر ہے، اچھے کام حاکم، زہد و تقویٰ (ترک دنیا راستہ ہے۔)

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری

حضرت شاہ محمد غوث بہت بڑے بزرگ اور اہل اللہ میں تھے، شیخ وجیہ الدین جیسے بلند پایہ عالم اور شیخ بھی ان سے ارادت رکھتے تھے اگرچہ وہ مرید شاہ قادن کے تھے۔ مگر فیض روحانی انھیں شاہ محمد غوث ہی سے حاصل ہوا۔ مقصود المراد (ملفوظات سید ہاشم علوی) میں خود شاہ ہاشم (شیخ وجیہ الدین کے بھتیجے) کی زبانی یہ لکھا ہے کہ شاہ وجیہ الدین کی تربیت حضرت شاہ محمد غوث نے فرمائی اور علم حقائق سکھایا اور باوجودیکہ انھوں نے بائیس سال کی عمر میں ایک سو بیس علم تحصیل کئے لیکن خود شاہ صاحب (شاہ وجیہ الدین) فرماتے تھے اگر میں شیخ سے ملاقات نہ کرتا تو میں مسلمان نہ

ہوتا اور پھر فرمایا کہ جو معرفت اللہ تمام عمر میں حاصل نہ ہوئی تھی وہ ایک شب میں حاصل ہو گئی۔

اس کتاب میں شاہ صاحب کا ایک ہندی قول سید ہاشم کی زبانی بیان کیا گیا ہے۔

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے"

یعنی بھکاری کو خدا نہیں ملتا۔ ان کے بعض اور اقوال اور ہندی اشعار بھی میری نظر سے گزرے ہیں۔

حضرت کا انتقال سنہ ۱۵۶۲ء/۹۷۰ھ میں آگرے میں ہوا، گوالیار میں دفن ہوئے۔ آپ کی عمر بقول بدایونی وفات کے وقت اسی سال کی تھی۔

<u>شیخ وجیہ الدین احمد علوی</u> شیخ وجیہ الدین احمد العلوی قدس سرہٗ بہت بڑے عالم اور صاحبِ باطن ہوئے ہیں۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ سنہ ۱۵۰۴ء/۹۱۰ھ میں محمد آباد (چانپانیر) میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۹۹ء/۹۹۸ھ میں انتقال فرمایا۔ آخر عمر میں احمد آباد میں درس و تدریس اور تعلیم و تلقین میں مصروف رہے۔ اگرچہ وہ اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ شاہ قادن کے مرید تھے لیکن فیض روحانی اور معرفت الٰہی شیخ محمد غوث سے حاصل ہوئی۔ آپ کے مریدوں نے آپ کے ملفوظات کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں جس کا نام بحر الحقائق ہے۔ اس میں جگہ جگہ ان کے ہندی اقوال درج ہیں۔ شیخ کے مرید ان سے سوال کرتے ہیں۔ اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال تو فارسی میں لکھے ہیں لیکن جواب خود شیخ ہی کے الفاظ میں ہندی میں تحریر کئے ہیں۔ یہاں چند مقام نقل کئے جاتے ہیں:-

لفظ ، فرمودند کہ "جس چیز میں ذوق و شوق پاوے اسے ترک نہ دیوے" یعنی درآں چیزیکہ صوفی ذوق و شوق یابد آں را ترک نہ دہد۔ شخص گفت اگر آں چیز متفق الحرمت باشد چہ کند؟ ازو اغراض نمودہ فرمودند "بھونڈا ہووے سونا کرے "

لفظ ، عزیزے عرض کرد : بخانہ دنیا داراں نروم فرمودند۔

"کا ہے دنیا دار بھی اپنیچ " یعنی اہل دنیا نیز از ما اند

لفظ ، می فرمودند۔ طالب کشف نباید شد۔

" اپنوں کوں کیا کشف ہوئے یا نہوے کام اس کا ہے "

در حکایت کردن فرمودند" کیا ہوا جو بھوکوں موا۔ بھوکوں موے تیں کیا خدا کوں اپڑیا ، خدا کوا پڑنے کی استعداد ہور "

لفظ ، کسے از ریاضت ، عرض کرد ، فرمودند" میں کہاں یا کدھاں ریاضت کیتی "

لفظ ، فرمودند" جیسی تجلی پکڑے تیسا ارادہ دیوے اگر عبد کی تجلی پکڑے عبدیت ارادہ دیوے ۔"

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین

شیخ بہاؤالدین برناوی خاتم التارکین اکبر و جہانگیر کے عہد کے بزرگ ہیں۔ ہندستان کے مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی۔ موسیقی کے دلدادہ تھے اور خود اس فن میں بڑا کمال رکھتے تھے بلکہ بعض چیزوں کے موجد ہوئے ہیں۔ پروفیسر شیرانی نے ان کے حالات اور ان کا کلام کتاب چشتیہ تصنیف مخدوم علاؤالدین ثانی سے نقل کیا ہے۔ وہیں سے ان کے کلام کا یہ نمونہ درج کیا جاتا ہے ۔

ان نینن کا یہی بسیکہ
ہوں تجھ دیکھوں توں منجہ دیکھ

خواجہ خضر کے حق میں کہا ہے:۔

دائم حیات کائم کرامات ملاکات نعمت پاؤ نہم
ندی تیر درم بہاری بھیر پھرت مرمت ہوتیاں تیاری رم رم
رحم کیجے کرپا ہتیں دیجئے کا کہوں زادری سم
تم کھواجہ[1] کھدروٹے[2] مہتر الیاس رہ دور پاس یاجگت اگم[3]

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی

سید شاہ ہاشم حسنی العلوی بن قاضی برہان الدین اور شاہ وجیہ الدین دونوں قاضی نصر اللہ کے بیٹے تھے۔ شاہ وجیہ الدین سب سے بڑے تھے اور قاضی برہان الدین سب سے چھوٹے آپ نے سنہ ۱۶۴۹ ۱۰۵۹ھ میں انتقال فرمایا، آپ کے ایک مرید حاضر باش شاہ مراد ابن سید جلال نے آپ کے تمام اقوال و حالات جو شاہ صاحب کی زبانی وقتاً فوقتاً سنے ایک کتاب کی صورت میں جمع کردئے ہیں جس کا نام انھوں نے "مقصود المراد" رکھا ہے۔ اس میں جابجا کثرت سے شاہ صاحب کے ہندی اقوال وابیات اور نظمیں بھی موجود ہیں جو انھوں نے خود شاہ صاحب کی زبانی سن کر قلم بند کی ہیں، ان میں سے چند یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

نکتہ:۔

ہاشم جی پھولاں لہر[4]   پیویں وحدت کے بحر
ہوویں متوالے سحر   دلی[5] جوں قاتل زہر

---

[1] خواجہ [2] خضر
[3] جو نہ مل سکے [4] موجیں [5] دنیا

سید شاہ ہاشم اپنے چچازاد بھائی میاں عبداللہ ابن شاہ وجیہ الدین کی خدمت میں بغرض بیعت و ارادت حاضر ہوئے۔ میاں صاحب نے فرمایا بیٹھو آپ نے کہا میں تو خدمت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ انھوں نے کہا تم میرے بھائی ہو میں تم سے کیسے خدمت لے سکتا ہوں، آپ نے کہا میں تو اسی نیت سے حاضر ہوا ہوں اور برابر دست بستہ حاضر رہے۔ چند روز کے بعد شب کو انھوں نے دیکھا کہ حضرت میاں شاہ عبداللہ فرما رہے ہیں کہ مجھ میں جو کچھ ہے وہ میں نے تجھے بخشا اور یہ پانچ شغل جس طرح کہ میں کہتا ہوں تم کرو۔ اس واقعہ اور ان اشغال کو شاہ ہاشم نے اس طرح نظم میں ادا کیا ہے:۔

ہنس ہنس سپنے کہیا نا نہاں
دیون تجی سب جے مُج ما نہاں
میں بی تم تم[1] سر کو لیتا
کیوں نہ لیو جو دیوے میتا
پانچ شغل کہہ آکھیں سائیں
جیوں لے کہوں ہوں چلن تو انہیں
شغل تکفینا کہیا یہو
نتھا بڑا ایک جانے جیو
جیھا لوڑے آپس توں
تیھا لوڑے سارون توں

---

[1] جھکانا

تن منھ اپنی صورت دیکھ
آپس کھیں کوئی جوا نلیکھ
شغل الٰہی کی حد جان
بی بی بولو جیو نہ آن
پالو بی تن مت ابھرائے
ہاشم جی پیو یوں سمجھائے
تھی دوشنبہ کیری رات
شاہ عبداللہ آکھی بات

نکتہ :-

اے دنیا کے لوگ کیڑے مکوڑے
گھیو شہد پر دوڑا تے گھوڑے
ڈوبتے بہت نکلتے تھوڑے

نکتہ :-

نا منج زن نا منج فرزند
نا منج بھائی نا منج بند
ہاشمی پیو سوں سند[1]

نکتہ : پہلوانوں پہلی شرط یہ
نلائیں پہلو بجوئیں نہ ٥

---

[1] ملنا

ہاشمی جیٹھے مد متاتے بھاری
علوی لوٹیں دن راتیں ساری

نکتہ :-

انما الاعمال با النیات
نہیں عمل مگر نیت سوں بات
جو ایسی نیت دیوے ہات
نولاییاں[1] کھیلوں شہ کے سات

جکری :-

کہیو ہو چک میرے پیو
بہوت دنن کا الجا جیو
بادر کوپ گھٹا کر آوے
تل دھارن[2] کیچی کھڑی کھجاوے
مور چکارے ہے بن ماتی
پسوپچی[3] سب تیرے راتی
کئی کئی بھانتو بھاؤ دکھاتے
کہیو ہو چک میرے پیو
بہوت دنن کا الجا جیو
بیربہوٹی رنگ رت میرے
بھوبیا گھر آؤ سویرے

---

[1] رنگ ریاں [2] ذرا
[3] پنچھی [4] سرخ رنگ

کہیو ہو چک میرے پیو
بھوت دنن کا انجا جیو
نین ہمارے نس دن رد دے
میت بنا کہو کیوں جنم کھودے
ہاشم جی سک ہووے تب کچھ تیاجودے
کہیو ہو چک موسے جیو
بھوت دنن کا انجا جیو

ہنگری:-

جائے کہو یک تل آئے پیا — سکتا جیو دھکتا ہیا
لا الہ نفی الا اللہ اثبات — محمد برحق بلا سیم احمد ذات
جائے کہو ....
نفی کل ہوا مانوں تو — کل اثبات ہووے جو
ہاشمی رخسار پھڑکتے — غلوی دھڑکتا ہے جیو
اب آنے کی ہو بدنائے جو — جائے کہو ....

نکتہ

نہیں حجت ہے بس ہمول کو ل
سبھی کہتیں ٹیپا سب منھ توں تو ل
پیر باطن یقیں ظاہر آیا
پن ہاں نکتہ واحد لیایا
ہوا ایکا یک آپ دکھایا

اکھیں راز پیا کا بوجھا
تن من منہ جب سائیں سوجھا
ہے توں ہوں ہوں روں روں ماہنہاں
ایک الف ہو آیا تاہنہاں
کرنا بھاؤ سو ٹھانھیں ٹھانہاں
نوں کھیں نور ظہور ہو آیا پنج حرفوں لٹکا لیایا
کر کر بٹکے آپ دکھایا

اب تک میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر بہت بڑا تھا۔ وہ سب ہندی جانتے تھے چنانچہ اس بیان کی تصدیق میں ان کے اقوال و ابیات اور نظمیں جو ان کے ملفوظات یا بعض تاریخوں میں ضمناً یا محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں پیش کی گئی ہیں۔ ان اقوال و ابیات میں سے بعض خالص ہندی میں ہیں اور بعض ایسی ہندی میں جو عربی فارسی الفاظ یا ترکیبوں سے مخلوط ہے اب میں ان بزرگوں اور صوفیا کا ذکر کرتا ہوں جو ہندی یا مخلوط ہندی یا ریختے میں صاحب تصانیف ہوئے ہیں۔ جن حضرات کا ذکر اس سے قبل ہوا ہے ممکن ہے کہ ان میں بھی بعض نے ہندی یا مخلوط ہندی میں رسالے یا کتابیں یا مسلسل نظمیں لکھی ہوں، لیکن ان کی تصانیف (اگر درحقیقت کچھ تھیں) اس وقت تک دستیاب نہیں ہوئیں۔ اب اس کے بعد میں اُن صوفیا اور اہل اللہ کا ذکر کروں گا جن کا مستقل اور مسلسل کلام دستیاب ہو چکا ہے اور میرے پاس موجود ہے۔

افسوس ہے کہ اب تک حضرت امیر خسرو کے ہندی کلام کا سراغ نہیں لگا اور جب تک نہیں ملے گا اس کا افسوس رہے گا۔ اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اور ہندی میں ان کا کلام موجود تھا جس کا اعتراف خود انھوں نے اپنے دیوان کے دیباچے میں کیا۔ اگر کبھی ان کا ہندی کلام ملا تو اس وقت اس کی پوری کیفیت اور حقیقت معلوم ہو گی۔ فی الحال جو متفرق کلام تذکروں میں بیاضوں میں یا جو لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ اس کے چند نمونے نقل کر دئے گئے ہیں۔ خسرو کے فارسی کلام میں بھی ہندی الفاظ جا بجا استعمال ہوئے ہیں جنھیں وہ بڑے سلیقے سے استعمال کرتے ہیں۔ جس طرح وہ ہندی زبان کے ماہر تھے اسی طرح وہ ہندی موسیقی میں بھی درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان دونوں کا ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ جس طرح انھوں نے ہندی موسیقی میں فارسی نغمے کا پیوند لگایا ہے بعینہ اسی طرح انھوں نے ہندی اور فارسی کو ملایا ہے اور حضرت امیر کے حق میں یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں اس زبان کا بیج بویا جو بعد میں ریختہ، اردو یا ہندستانی کے نام سے موسوم ہوئی۔

ان کی جو چیزیں ہمیں زبانی پہنچی ہیں ان کے متعلق بدگمانی کرنا درست نہیں۔ ہماری بہت سی ایسی عزیز چیزیں ہیں جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں تصرف کیا گیا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کی نہیں۔ بعض ایسی بھی ہیں جو ان سے منسوب کر دی گئی ہیں لیکن منسوب کرنے والوں کی نظر میں ضرور ایسی اصلی چیزیں تھیں جن کی نقل اتارنے کی انھوں نے کوشش کی ہے اور جہاں جعل بنانے میں ذرا سی بھی کسر رہ گئی ہے تو ان کی چوری پکڑی گئی ہے اور وہ چیزیں اپنی وضع

وترکیب اور زبان کی وجہ سے خود بخود ساقط الاعتبار ہو گئی ہیں۔ یہ تو زبانی چیزوں کا حال ہے۔ تحریری کلام بھی تصرف سے محفوظ نہیں رہ سکا کیا سعدی کی گلستاں بالکل وہی ہے جو سعدی نے لکھی تھی یا فردوسی کا شاہنامہ بعینہ وہی ہے جس کے لئے اس نے تیس سال خونِ جگر کھایا تھا؟

شمس العشاق شاہ میراں جی

اگر حضرت گیسو دراز کے رسالۂ معراج العاشقین سے قطع نظر کی جائے اور اسے منسوب خیال کیا جائے تو پہلے صوفی بزرگ جن کا کلام مستقل طور سے ملتا ہے وہ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوری ہیں جن کا سنہ وصال لفظ "شمس العشاق" سے سنہ ۹۰۲ھ/۱۴۹۶ء نکلتا ہے۔ آپ مکے میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں بعد ہندستان آئے اور حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال الدین کو شاہ جمال الدین مغربی سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے۔ حضرت گیسو دراز کا فیض دکن میں بہت وسیع اور عام ہے اور ان کے روحانی فیوض کچھ بھی ہوں لیکن ان کا یہ فیض کچھ کم نہیں کہ ان کے سلسلے میں اس زبان کو روز افزوں فروغ ہوا جو وہ اپنے ساتھ دہلی سے لائے تھے کیا یہ کچھ کم کرامات ہے کہ ایک شخص جو مکے میں پیدا ہوتا ہے ہند میں آکر یہیں کی زبان میں تعلیم و تلقین کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اسی میں لکھتا پڑھتا اور اسی میں نغمہ سرا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ خود اپنے حال میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مکے سے مدینے شریف کی زیارت کو گئے اور تقریباً بارہ سال روضۂ مبارک کے قریب رہے۔ ایک روز شب جمعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہندستان جانے کے لئے

ارشاد فرمایا تو آپ نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ میں ہندوستان کی زبان سے ناواقف ہوں۔ آنحضرت نے زبان مبارک سے فرمایا "ہمہ زبان بشما معلوم خواہد شد" اور یہی ہوا۔ ان کا تقریباً سارا کلام (جو اس وقت مجھے دستیاب ہوا ہے) اسی ہندی زبان میں ہے۔ اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت ہندوستان کی عام زبان یہی تھی اور دوآبے، پورب، پنجاب، گجرات، دکن وغیرہ میں اسی کا تسلط تھا۔ شاہ میراں جی بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اسی کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور تصانیف لکھیں۔ اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔

اس خاندان کے کسی مرید و معتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کر دیا ہے۔ وہ قلمی بیاض جو بہت ضخیم ہے مجھے ایک بزرگ نے عنایت فرمائی۔ اس میں شاہ میراں جی کے کئی رسالے ہیں اس قلمی مجموعے کا سنہ کتابت ۱۰۷۸ ہجری ہے۔

ایک رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے۔ یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ اندرونی شہادت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شاہ صاحب ہی کی تصنیف ہے وہ اس میں اپنے پیر شاہ کمال بیابانی کا اس

طرح ذکر کرتے ہیں کہ ان کی تصنیف ہونے میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں :-

اس کمالیت کا سنگ — اس خاندان کا رنگ
اُن گمائے اپنا حال — تو ہوئے پیر کمال
کچھ سے تجے نصیب میرے — پگ دیکھے تو اُن کیرسے

یہ نظم ان کی دوسری نظموں کے مقابلہ میں زیادہ سلیس ہے۔ بحر رواں اور مترنم ہے۔ حمد میں کہتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن — الرحیم تو سبحان
یہ سب عالم تیرا — رزاق سبھوں کیرا
تجھ بن اور نکو سئے — تاخالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم — تو ٹوٹے سبھی بھرم
اس کارن تجھ کو دھاؤں — اور تیرا نام لیوں
تجھ زتا کون جانے — اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار — کس موکھوں کروں اچار[1]
جو تیرا امر جانے — اس نہی کو نہ مانے

اس کے بعد نعت کے چند شعر ہیں پھر منقبت اور منقبت کے بعد اپنے پیر کا ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کی معمولی باتیں ہیں لیکن اس سے قبل کہ وہ تصوف اور معرفت کے مسائل بیان کریں، ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی، ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔ ظاہر پر نہ جانا چاہئے باطن کو دیکھنا چاہئے زبان کوئی بھی ہو معنوں پر

[1] بیان

خیال کرنا چاہئے۔ جیسے مٹّی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے م
کو لو اور لفظوں پر خیال نہ کرو۔ وہ اسے گھر بھاگا کہتے ہیں۔ یعنی وہ زبان
گھورے پر کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت اہل علم کی نظروں یہ
اس کی کیا قدر و منزلت تھی لیکن ساتھ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے۔ وہ ک
ہیں کہ یہ سمجھ لو کہ گھورے پر بارش ہوئی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گ
یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے، کوئی معقول آدمی ایسے ہیرے کو گندہ سم
کر پھینک نہیں دے گا۔

ہیں عربی بول کیرے   اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب   اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلسو بولی   پن اس کا بھاوت کھولی
یو گر مکہ پسند پایا   تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے   اس بیان کرے پیاسے
دے عربی بول نہ جانے   نا فارسی پچھانے
یہ ان کو بچن ہیت   سنت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول   پن معنی ہے ینتول
کڑدے پن سوس   پھل پا کے جوں پھنس
نادیکھت یونا لیکھو   لے مغز چاک دیکھو
جے مغز میٹھا لاکے   تو کیوں من اس تھے بھاگے
تیوں اس میں ارت پیچ   سب قران کرے پیچ

وہ مغز معنے لیو
سب چھال چھوڑ دیو

یا وہ دیکھے چھاراؒ اس ماٹی کا پسارا
نا ماٹی اس کو ہان وہ راکھے سیٹ آن
یہ چھان سنّا یوے اور بعضے ناکہ دیوے
یوں بھاکا ماٹی جانو زر معنی دل میں آنو
تو جیں کو بھاوے جوڑ نا جاسی یہ گن چھوڑ
ہے کڑواں کیرا ہیرا گھور اوپر پڑیا نیرا
کوئی سجان بھاگوں پاوے تو کیوں نالیہ اچاوے
گھر بھاکا چھوڑ دیجئے جن معنی مانگ لیجے

اس کے بعد کتاب کا نام اور اس کی خوبیاں بتائی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اس نام ہے تحقیق سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ہیروں کیری کھان ناموں تیوں کیری دان
جے غواص بودھ سیوے تو سالم سودھا لیوے
جے ہوئے گا مچھارا
کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں اور یہ سب سوال و جواب کے طرز میں سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔

لہ کھار ٹلہ موتی

ان کا ایک اور رسالہ ہے جس کا نام "خوش نامہ" ہے۔ یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ اوپر ایک سو ستر (۱۷۰) دوہے یا شعر ہیں۔ چنانچہ خود ہی کتاب کا نام اور اشعار کی تعداد بتاتے ہیں۔

اس خوش نامہ دھر یا نام دوھا ایک سو ستر

ہندی شعرا بعض اوقات تصوف اور معرفت کی باتیں عورت سے خطاب کر کے یا عورت کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ دنیا اس کی سسرال ہے اور عالم آخرت اس کا میکا ہے۔ اس طرح بطور استعارہ عورتوں کے تمام مناسبات مثلاً زیور پہننا۔ مہندی لگانا، چرخا کاتنا وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اس نظم کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خوش یا خوشنود و یا تو ایک فرضی لڑکی ہے یا حضرت کی کوئی عزیز ہے جس کے لئے یہ نظم لکھی ہے۔ اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے، پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے، ستونتی ہے، سب کی پیاری ہے، دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے دل میں خدا کی لگن لگی ہوئی ہے۔ اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔

کبھی نہ رنگی میندھی رنگوں پھولوں باس نہ آیا
رنگ نہ رنگیا دنتوں اس کے بھینی نہ ململ کا یا
کہے منجھ پیر سہاگ اللہ کا چھڑ رہیا سہا دا
اب کیوں سر سہا دے دو جا تم کو نایں کٹھادا
اس کے رنگوں رنگی ساڑی دوجا رنگ نہ بانی
اس کی باسا ہم کو باسا پھول پھوکٹ کی آنی

ایسی باتیں کرے گنونتی مورکھ بوجھیں مشد ھ
یہی من میں آوے اپنے چھند سو ہی سکھا دیں بدھ

جب لوگ اسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اُس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔

کہے یہ سب حکم خدا کا جے تم آکھیں یوں
ہم کو بھاوے یک اللہ سو کرے وہ بھائے تیوں
نا ہم اچھیں سو کھ سنسارا نا ہم اچھیں چاؤ
ہم تو راون لوڑیں اس سے جے ہے راون راؤ
جے نرگن گنوں کا بھین گن کوں سو بوجھے اب
تین پاپ مٹ دیکھے اب شہ سوں میلا ہوئے تب

اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے بُرے پیر کا امتیاز بیان کیا ہے۔

پیر وہی جو پریم لگا دے نور نشانی عین
منزہ کی شدھ لکھا دے جہاں دیس نہ رین
جیں مارگ کیتیں جیو سنچرے[1] سو ہی مارگ سار
مارگ چھوڑ چلے کو مارگ من کا یہن بچار
کریں جبیں وہ تیرت پٹن لوگ ابھاسین وھیان
پانچوں چیز ریاسوں راکھیں کیون کر دیکھے مان

---

[1] چلے

چندر سور کی ارتہ دکھادیں کریں اچھا جب
ذاکر ہومن دم چلادیں یہ بھی دھیان البتہ[1]
لونچت موندت پھریں پھوکٹ ترت کریں یاچ
تھان دیکھ جسے دیویں مان وہ بھی مورکھ نیچ

جن کو شہوت کیرا ہاوا ان کوں دیسے پیر
جن کے پیر شیاطیں دسے تو نا آدیں گے حق دھیر
سوّر کے گل باندھیا مشک وہ کیا اس کو جانے
اس کے تائیں سُرجیا وہ سو ہیا پچھان مانے
یا گدھڑے[2] پر قرآن لادیا یک نہ بوجھے بول
لایق اپنے کرے بیان لیہ مو کر اپنا کھول

غرض اس طرح پیروں کے صفات اوران کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا ہے۔ آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی ہے کہ میرے حال پر توجہ کیجئے۔ مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں، میں تو تمھارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے۔ وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اس سے مناجات کرتی ہے۔

منج نا لوڑے اوان نعمت بھوپ برمیل[3] پان
دوکھی سوکھی اوپر خوشی کاہ بڑائی مان

---

[1] گھوڑا [2] گدھا [3] خوشبو

ناپخ لوڑے پاٹ پتمبر نہ زر زری سنگار
بھاٹی لوٹی کنبلی نیکی کلمہ چین ہار
ناپخ لوڑے پلنگ نہالی صونے ماڑی باغ
حسرت راکھ جیونا مرنا یہ تو کسبل[1] داغ
جے نہ سمایا دھول ملاوے کبھو نہ پرگٹ شوق
جے نہ عشقوں آنجھو ڈالے کبھو نہ پایا ذوق

توں قادر کر سب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کا دانا بینا سب جگ تجکوں سیوے
سب کی چنتا تجکوں لاگی جیسے جیو جیون
سب کی جان سجان تو نہیں دے جے جے جیکے من
ایکس ماٹی مولی دیوے ایکس ماٹی باج
کیتوں بھیک منگاوے کیتوں دیوے راج
کیتوں پاٹ پتمبر دیتا کیتوں سر کی لایا
کیتوں اوپر دھوپ تلاوے کیتوں اوپر چھایا
کیتے گیان بھگت بیراگی کیتے مورکھ گنوار
ایک جن ایک مانس کیتا ایک پرس ایک نار

---

[1] ناپاک، ذلیل

ایک فرشتہ یک شیطاں یک چور یک ساؤ
ایک جھاڑ یک پتھر مانٹی ایک اگن ایک باؤ
عرش کرسی لوح قلم دوزخ بہشت بنایا
آسماں سور چندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھتے ہی قدرت کوں زور، تجھتے نور نورانا
تجھتے سب کا سبھی پنا تج بن سب ہیں بیگانا
تج بن کوئی نہ بار جوائے، تج بن کوئی نہ آس پورائے
عالم اوپر بایا بہنا، کرے حکم سوں جیسا بھاوے
بہشت میانے آگ اچاوے، دوزخ کوں سکے بجھاوے
پکڑ بیکاری تخت بٹھاوے، راجے راکھی گرد ملاوے
نہمندیا نکو کرے دیوانے، سوگیا نکو لیہ دوکھ میں بہانے
کرکر بندگی جرم گنواوے، پھر پڑے تج عجب کیا رانے
میں اس کارن بہت ڈروں ڈر کر جاؤں کہاں
جہاں جہاں میں چھپن لوڑوں تو ہی تہاں تہاں
اب نہ چھپوں اب نہ ڈروں، ڈر کو کہاں لگ ڈنڈوں
ہیں غریب نپائے تیرے، آس تجھے آسا دھروں
ماتا جے بانگ تجھے روسی جانا اکیں کدھر
آپ جس مارگ لاسی میراں میں جاؤں تدھر

تو رحمان رحیاں میرا مہر محبت بھریا
میں تو باندی بردا تیری تیں مجھ ہاتوں دھریا
ناہیں کیتی بندگی تیری نا دھر کیتی یاد
دائم کیتی آگل تیرے سلگوں تجے فریاد
تیں بھی میرا لاڑ چلایا کبھو نہ ہوا اداس
آپ سندیسا توڑ گسائیں تیری منجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوشخبری دیتا ہے، فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں۔ خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے، یہ نظم بڑی پرکیف اور دل گداز ہے۔ اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا ہے وہ بہت پر اثر ہے۔

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ہے خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی خوش نغز ہے۔ اگرچہ اس میں گنتی کے کل بہتر تہتر شعر ہیں، لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا ہے جن میں عرفان دردح، مراقبہ، عقل وعشق، کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے۔

نظم کی ابتدا میں یہ دو شعر بطور تمہید کے لکھے ہیں۔

جے ہماری ارادت کی ان کا یہ احکام
نماز، تسبیح، نیتاں، ذکر اللہ یک نام

اس پر جیتا رہے صدق سوں او تا اچھے لاب
دین ، دنیا ، دیدار ، بہشتاں پاوے بے حساب

اس کے بعد اصل نظم شروع ہوتی ہے ۔ نمونے کے لئے دو شعر پیش کئے جاتے ہیں ۔

خوش پوچھے کی کہو میراں جی عالم اچھے کیتے
پیر کہیں سن جیتے تن اچھیں عالم ستیتے
خوش کہے مج کہو میرانجی عشق بڑا یا بودہ
پیر کہیں میں آکھوں بیان اس میں دھرنا سودہ

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے ۔ اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ طریقت ، حقیقت ، شریعت ، وضو ، دنیا ، ترک دنیا ، تجرید و تفرید ، عشق معشوق ، فنا بقا اور سفر پر بحث کی ہے ۔

ان ابواب میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ پہلے قرآن کی آیت ہر گروہ زیادہ تر احادیث نبوی لکھتے ہیں اور اس کے بعد ترجمہ اور مختصر تشریح کرتے ہیں ۔ دو تین نمونے پیش کئے جاتے ہیں ۔

"کل امرذی بال لم یبدء بہ بسم اللہ فہوا بتر"
پیغمبر کہے جسے کچ کام کرے گا کوئی خدا کا ناوں نہ لے کر تو او کام پائمال ہوئے گا ۔

"الحمد للہ رب العالمین"
سرانا نوازنا خدا کوں بہوت کہ او پالنہارا ہے عالم کا

"العاقبۃ للمتقین"

ہور اس عالم میں خوبیاں دیوے گا، کہیا ہے، الیس کوں بھلانے لوگاں کو ہور پرہیز گاراں کوں۔ " پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کہے خدا کی آشنائی جسے کوئی بوجتا ہے، انو کیا توں رہ کر انو تھے بوج، انو تھے توں سن ہور چپ نکو اچہ اس چار باتاں کا پند ہے۔ یوں شریعت میں پہلے پاؤں رکھ کہ طریقت شریعت منج ہے"

خدا کہیا "تحقیق مال اور نبگڑے[1] تمھارے دشمن ہیں، چھوڑ دیو دشمناں کوں اے کیسا غفلت ہے جو تجھے اندھلا کیا موت کی یاد تھے تجھے بسرا کر"

شاہ میراں جی کا خاندان بھی عجب بابرکت تھا، ان کے بیٹے اور پوتے اور پڑ پوتے بھی بڑے شاعر گزرے ہیں اور ان کے کلام کا ذخیرہ بہت ضخیم ہے۔ یہاں میں صرف ان کے بیٹے اور پوتے کا ذکر کروں گا۔

شاہ برہان الدین جانم شاہ برہان الدین جانم حضرت میراں جی شمس العشاق کے فرزند اور خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے بڑے عارف اور صوفی تھے۔ ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوئی لیکن ان کی ایک نظم جو مجھے دستیاب ہوئی ہے اس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء بتایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ ان کا انتقال اس سنہ کے بعد ہوا ہے۔ میرے پاس ان کے کلام کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔ ان میں سوائے ایک کے باقی دس سب منظوم رسالے ہیں جو تصوف و سلوک پر ہیں۔ ان کا کلام میراں جی کے لگ بھگ ہے۔ مگر اس سے کسی قدر صاف ہے اور اس میں شاعرانہ ذوق بھی کسی قدر زیادہ ہے میں اس موقع پر ان کی تصانیف کا مفصل ذکر کرنا نہیں چاہتا، البتہ ان کے کلام کے چند نمونے

---

[1] اولاد بال بچے

پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے اُن کے کلام اور اس وقت کی زبان کا اندازہ ہو سکے۔

حمد میں:-

سکتا۔ تا ادہ قدرت سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کہیا یہدی من یشا
یہ روپ پرگٹ آپ چھپایا کوئی نپایا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کیوں کر سوجھے پنت
(از وصیت الہادی)

اللہ پاک منزہ ذات　　اس سوں صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار　　سنتا دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات　　اس کوں ناہیں کد ممات
ایسیاں صفتاں سوں ہے ذات
جوں کہ چندنا چاند سنگات

(از نسیم الکلام)

کوئی کہیں سب عشق تمام　　عشق کے آنکھیں کیا ہے نام
عشق لیا ہے سب پھر باس　　عشق تھے سگلا بھوگ بلاس
بعض آکہیں اپنی بوجھ　　معلوم نہیں کچھ اس کی سوجھ
ایک جمع سب کٹیا بار　　جو نکلے بیج تھے نکلیا جھاڑ
کانٹا چھال پھل اور پھول　　شاخ برگ سب دیکھ امول
ایک جمع کر راکھیں بار　　بیج پنے کا ناہیں بھار

لیکے بیچیں بیج اپار   بیج بیٹے سو سگلا جھاڑ
کوئی کہے یہ دیکھ نقیم   یو سب عالم اہے قدیم
نہ اس خالق مخلوق کوئے   جیسا تیسا سمجھا ہوئے

(از منفعت الایمان)

گن آدم کا نہ ہاتھ چڑھے رہے کیوں کہنا انسان
صورت پر اعتبار نہ کہیں جیسے ہیں حیوان
بلکہ ان تھے گمراہ کریوں قرآن میں فرمان
لوکاں یہ مت پکے الادی[1] جن بوجھ بختون لادھی
پنتھ اکاس کا ویہنگم[2] جانے جل کا مارگ مین[3]
سادھو کا انت سادھو جانے دوجے کوں نہیں چین[4]
ایسا سادھو بھاگوں نہیں تو چرنا رہنا لین
لوکاں یہ مت پکے الادی جن بوجھ بختون لادھی

(از سکھ سہیلا)

علاوہ ان مثنویوں کے شاہ صاحب نے بہت سے خیال اور دوہے بھی لکھے ہیں جن کی ایک اچھی خاصی تعداد میرے پاس موجود ہے ایک ایک مثال اس کی یہاں لکھی جاتی ہے۔

خیال

اب سندیسہ مجھ ہے شہ کا   جب کب بھاگوں انتر ملے

---

[1] علیحدہ [2] پرندہ [3] مچھلی [4] پہچان

پیر پیرم کے پڑے میرے　　　　نینوں مانہہ جوں کنکر لے
نس دن جاگے برہ ماری　　　　نہ نیندا دیکھے نین پڑے
پلکس میری آگ بلے کیوں　　　　سپنے دیکھوں سو کھڑے
قول پیا تجھ آس لگی من　　　　آس لگی تجھ پاس رہن
جب کا جھانسا تیں مجھ لایا　　　　یک تل نہ مجھے ساس رہیں
نہ کا بینا مجھ کوں لاگا　　　　لوگ دیوانی دیکھ ہنسیں
جگ کی ہانسیں کیا مجھ ہوئے　　　　کہو سرجن کہاں بسیں

دُہرا :-

جب لگ تن نہیں چھوڑیا جیو کوں تب لگ ہونا دور
جب لگ نظر نہیں چھوڑی آنکھ کوں تب لگ ہونا نور
جب لگ سپتا نہیں چھوڑیا کاں کوں یو سب اعضا حال
جب لگ فہم نہیں چھوڑیا دل کوں یو جہت ہو نرال
یوں سب تن میں برتن دیکھ چھوڑیں اے سکھ دکھ
دکھ سکھ دونوں یک کرسی تو پادے ہیج کا سکھ

آپیں جوگی سب جگ چیلا　　　　آپیں ایک نات رہے یکیلا
اپنی اچھیا کر سب چیلے پایا　　　　نیکی بدی کے دو مدرے بجایا
کلمہ نبی کا پنتھ مارگ لایا　　　　تن کا کنتھا کر سب چیلوں پہنایا
بندگی بھبوت کرنت اٹھ لایا
یقین جوگ ڈنڈا تکیہ خاصا　　　　لجیا چھوٹی دے بندے پاسا
اس تن کے مٹھ میں راول کا باسا　　　　دھرتری تر بھر بھوجن کیتا

بادل پھوڑ دا کر پانی دیتا

شاہ برہان کا کلام اگرچہ سادہ ہے لیکن بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً

بن عشق بدھ کو سوج نہیں
اور بن بدھ عشق کی گوج نہیں
جے آپ کو کھوجیں پیو کو پائیں
پیو کو کھوجیں آپ گنوائیں

ان کا ایک رسالہ کلمۃ الحقایق نام کا نثر میں ہے۔ یہ رسالہ اچھا بڑا ہے اور اس میں تصوف کے مسائل سوال وجواب کے طرز پر بیان کئے ہیں۔ شروع یوں کرتے ہیں:۔

"الله کرے سو ہوئے کہ قادر توانا سوئے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرنہار ہیچ ہیچ سو تیر اٹھارہ ہیچ ہوا بھی تو ج تھے بار۔ جدھاں کچھ نہیں بھی تھا تہیں، دو چار شریک کوئی نہیں ایسا حال سمجھنا خدا تھے خدا کوں جس پر کرم خدا کا ہوئے۔"

اس کے بعد سوال وجواب شروع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:۔

سوال:۔ "یہ تن الادھا دستا، ولیکن جیتا لکار لوٹتے

---

[۱] علیحدہ [۲] ترغیب، تحریص۔

نہیں بلکہ ستنہ[۱] بکار روپ دستا ہے تک تل قرار نہیں
جیوں مرکٹ[۲] روپ "

جواب :-

" اے عارف ظاہر تن کے فعل سوں گزریا و باطن
کرتب دستے ۔ اس کا ناؤں سوں ممکن الوجود ۔ دوسرا
تن سو بھی کہ اس کا ایندرین کا بکار[۳] چیشٹا کرنھارا
سو دہی تن ، نہیں یو خاک دسو کھ دو کھ بھوگن ہارا
جیتا بکار روپ دہی دو سرا تن ، تو توں نظر کر دیکھ
یہ تن فہم سوں گزریا تو گن اس کا کیوں رہے "

شاہ برہان نے بھی اپنے پیر و مرشد اور والد شمس العشاق میراں جی کی طرح ہندی میں لکھنے کی معذرت کی ہے ، اس سے ظاہر ہے کہ ان کے زمانے میں عالم اور ثقہ لوگ ہندی میں لکھنے سے احتراز کرتے تھے وہ کہتے ہیں کہ ظاہر پر نہ جاؤ اور باطن کو دیکھو ۔ لفظوں کو نہ دیکھو اور معنی پر خیال کرو ۔ ہندی لفظوں میں کوئی عیب اور خرابی نہیں ۔ اگر سمندر کے موتی کسی ڈبرے یا جوہڑ میں ملیں تو عقلمند آدمی انھیں کیوں نہ لے فرماتے ہیں :-

عیب نہ راکھیں ہندی بول
معنی تو چک دیکھ ڈھنڈول
جو نکے موتی سمندر سات
ڈابرجے لائیں ہات

---

۱ قلب ماہیت ۲ بندر ۳ حرکت

کیوں نہ لیوے اس کبھی کو سے
سہانا چتر جو کوئی ہو سے
ہیں سمند کے موتی ..لو
گیان رتن کے جوتی لو

. . . .

ہندی بولوں کیا بکھان
جے گرُ پرساد تھا منج گیان

شاہ امین الدین اعلیٰ

شاہ بُرہان کے فرزند اور جانشین امین الدین اعلیٰ ہیں، وہ بھی باپ اور دادا کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ان کی وفات ۱۱۷۵ھ / ۱۰۸۶ء میں ہوئی (ماہ تاریخ ختم دلی ہے) ان کے نظم ونثر کے کلام سے تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے، ایک نظم محب نامہ (یا محبت نامہ) قصیدہ کے طرز میں کہی ہے مگر رنگ عاشقانہ ہے، قافیہ تو ایک ہے، مگر ردیف کہیں کہیں بدل دی ہے۔

قمریں نین تیرے ساحر ہوے ہمن کوں
گمراہ کر بلاوے قوس و قزح بھون کوں
پیچوں بھویاں زلف تج موجوں ڈبے بحر موں
ہر لہر پر کرشمہ عشاق کے بچن کوں
راہ صراط پل جوں سر مانگ جو چھپی ہے
کا ٹھے کشاں سماں پر محب بلاونے کوں

ﻠﮧ کہکشاں

سیما عرش علامت کرسی مکٹ سہاوے
روشن شمع منور پروانے جانے کوں

ایک دوسری نظم وجودیہ ہے، اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

نفس کا دوڑنا ہی اس ٹھار
یو تو آہے نفس بچار
نفس کو یاد تو دم کی جاگا
لائیں ذکر نہیں توجاوے بھاگا

آپ نے دوہے بھی لکھے ہیں، ایک دوہے میں کہتے ہیں :۔

مرنا ہار، جیونا بسار
جیونا ہار، مرنا بسار
سودہ سرجن کی دیکھ بچار
لال سرجن دیکھن پاوے
آپس میں دیکھ آپ گنواوے
من رانی حضرت قول بھاوے (وغیرہ)

بعض دوہوں میں عربی لفظ کثرت سے آگئے ہیں، لیکن ایسے دوہے بہت کم ہیں۔

نبی پرگٹ ذات ظہور ہے
معشوق حق اللہ نور علیٰ نور ہے
حقیقت حقایق ذات کمال ہے
صورت معنی ذو الجلال ہے

ان کی بعض غزلیں بھی ملی ہیں، ایک غزل قدیم طرز ریختہ میں لکھی ہے،

باقی دکنی اردو زبان میں ہیں۔

شاہ صاحب نے بعض رسالے نثر میں بھی لکھے ہیں، ان کی نثر کی چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

" اللہ تعالیٰ گنج مخفی کو عیاں کرنا چاہا تو اول اس میں سوں ایک نظر نکلی، سو اس سے این دیکھ ہوا۔ این شاہد کہتے ہیں یو دونوں ذات کے دو طور ہیں۔ ذات نے اپس کو دیکھا، اُسے نظر کہتے ہیں۔ دیکھ کر گواہی دیا تو اسے شاہد کہتے ہیں۔ یہ تینوں مرتبے ذات کے ہیں "

ان کے علاوہ شاہ صاحب کی تصنیف سے متعدد رسالے ہیں۔

<u>سید میراں حسینی شاہ</u> اس خاندان کے مریدوں نے بھی تالیف و تصنیف میں وہی روش اختیار کی جو ان کے مرشدوں کی تھی۔ ازانجملہ ایک بزرگ سید میراں حسینی شاہ امین الدین اعلیٰ کے مرید تھے۔ یہ حیدرآباد دکن کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں۔ کسی ضرورت سے بیجاپور گئے تو شاہ امین الدین اعلیٰ سے بیعت کی اور باقی عمر راہ حق میں گزاری یہ کئی رسالوں کے مصنف ہیں۔ لیکن ان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب شرح تمہید ہمدانی ہے جو " تمہیدات عین القضات "، کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب کے مصنف عبداللہ بن محمد المیان جی ملقب بہ عین القضات ہمدانی ہیں۔ جو سنہ ۵۳۳ ہجری میں بحکم قوام الدین ابوالقاسم درگزینی وزیر سلطان سنجر قتل کیے گئے۔ شاہ میراں حسینی کا انتقال ۱۰۷۴ھ میں ہوا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اس سنہ سے قبل کی تالیف ہے۔ میرے ایک نسخہ میں سنہ کتابت ۱۰۶۷ ہجری لکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اردو کی قدیم نثر کی کتابوں میں خاص درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ علاوہ چند مختصر رسالوں کے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اس سے قبل نثر میں صرف وجہی کی سب رس پائی جاتی ہے۔ اس کی عبارت کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اے عزیزاں! اے بات نہیں سینا ں۔ بادشاہاں گھوڑا مستعد کئے باج نہیں سوار ہوتے، ہور گھوڑے میں کچ کھوڑ اچھے تو بھی نہیں قبول کرتے۔ یعنی پیر کے عشق میں پختا ہوئے باج خدا کے عشق میں نا آسک سی ہور دیکہ نا سکسی۔ اگر عشق خالق نداری بارے عشق مخلوقے مہیا کن۔ اس کا معنا، خدا کی پچھانت کا بل نہیں تو اول اپنی پچھانت کر۔ سوائے بات یوں ہے کہ آفتاب کا ذات نواز نہارا ہے اور اس کا اجالا جالنہارا ہے یعنے دوست سو نواز نہارا ہور خوبیاں دینہارا۔ وے اس کا محبت اُسے دگدانا ہے یعنے معشوق کا محبت عاشق کو گا لنا ہے اُس کے فراق میں۔"

ان کی اولاد اور مریدوں میں کئی شخص بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں جن کا ذکر بخوف طوالت یہاں ترک کیا جاتا ہے۔

گجرات

اب میں تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیجاپور سے گجرات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ گجرات کا تعلق دہلی سے سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد سے شروع ہوتا ہے جبکہ اس نے سنہ ۶۹۶ ہجری میں اپنی فوج بھیج کر اس علاقے پر تسلط کر لیا اور اپنی طرف سے صوبے دار مقرر کر دیا۔ یہ صوبیدار سلطنت دہلی کی طرف سے برابر مقرر ہوتے آئے ـــــ یہاں تک کہ جب دہلی پر تیمور کا لشکر پہنچا اور سلطنت میں ضعف پیدا ہوا تو صوبے دار ظفر خاں کے بیٹے تاتار خاں نے خود اپنی حکومت گجرات میں قائم کر لی اور محمد شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔ سنہ ۱۴۰۳/۸۰۶ھ شاہان گجرات کی حکومت اکبر کے عہد تک رہی اس کے بعد گجرات کا صوبہ سلطنت دہلی میں شامل ہو گیا۔ غرض دہلی کا اثر اس علاقے پر امیر خسرو کے زمانے سے تھا اور وہاں کی زبان کا اثر جو اس علاقے کی زبان پر پڑا وہ نہ صرف اس وسیع صوبے کے شہروں تک محدود رہا بلکہ سلطنت بیجاپور اور دور و نزدیک کے مقامات میں بھی پہنچ گیا۔ اس کی شہادت ان بزرگوں اور شاعروں کے کلام میں پائی جاتی ہے جو اب تک موجود ہے۔

یہاں میں صرف ان چند صاحب تصنیف بزرگوں کا ذکر کروں گا جنھوں نے اردو کی شاخ گجری یا گجراتی میں اپنا نغمہ سنایا ہے۔

قاضی محمود دریائی بیرپوری ایک ان میں سے قاضی محمود دریائی ہیں جن کا شمار گجرات کے بڑے اولیاء اللہ میں ہے۔ ان کے والد قاضی حمید

عرف شاہ چالندہ حضرت شاہ عالم کے مرید تھے اور ان کے دادا قاضی محمد حضرت قطب العالم سے ارادت رکھتے تھے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور ولی تھے۔ بعض تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ قاضی محمود حضرت سلطان شاہ جیو فرزند حضرت محمود خلف حضرت قطب العالم کے مرید تھے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ اپنے والد ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ قاضی محمود نے ایک شب یہ دیکھا کہ حضرت غوث الثقلین یہ فرما رہے ہیں کہ تم مقام محبوبیت میں جو میرا درجہ ہے پہنچ گئے ہو۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے والد سے بیعت و خلافت حاصل کرلو۔ صبح کو یہ واقعہ انھوں نے اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک ہے، مجھے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ میری زندگی کے دن آخر ہو چکے ہیں۔ مرنے سے پہلے تمھیں مرید کروں گا۔ چنانچہ وفات سے ایک روز قبل خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ لیکن اس روایت کی ضرورت نہیں، ان کے کلام کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے جس میں قاضی صاحب نے اپنے والد کے مرید ہونے کا اقرار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

چاؤں چلندھا پیر میں پایا
ان محمود کوں میت ملایا
قاضی محمد تن شاہ چالندھا محمود کرا پیر
قاضی محمد تن پیر ہمارا چالندھا جھاگوں لھیارے
قاضی محمد تن پر ہمارا چالندھا مجھ پیار
پیر ہمارا چالندھا ہوں اس بل جاؤں

اپنے والد کے وصال پر جو جکری لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں۔

قاضی محمد تن شاہ چالندہ پیر لاگوں پائے

اپنے کلام میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر اور اپنی ارادت کا اظہار کیا ہے۔ وہ ہر جگہ اپنے والد کو قاضی محمد کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ یا تو چالندہ کا لفظ لاتے ہیں جو ان کے والد کا لقب تھا یا صرف شاہ چالندھا لکھتے ہیں:۔

تذکروں میں ان کی بہت سی کرامات بھی لکھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب کسی کی کشتی بھنور میں پھنس جاتی اور ڈوبنے کو ہوتی اور وہ قاضی صاحب کو یاد کرتا یا اُن کی دہائی دیتا تو بھنور سے نکل کر ساحل مراد پر پہنچ جاتا اسی وجہ سے ان کا لقب " دریائی " پڑ گیا۔

اُن کا وطن بیر پور تھا۔ عالم جوانی میں احمد آباد آ گئے تھے۔ اس کے بعد پھر ۹۲۰ھ میں بیر پور واپس چلے گئے۔ اور وہیں ۹۴۱ھ میں ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

سماع کا بہت شوق تھا اور اس میں وجد کی کیفیت طاری ہوتی تھی۔ ان کا مشرب عشق و محبت تھا اور یہی وجہ ہے کہ ان کا سارا کلام اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ زبان ہندی ہے جس میں کہیں کہیں گجراتی اور فارسی عربی لفظ بھی آ جاتے ہیں۔ کلام کا طرز بھی ہندی ہے۔ چونکہ موسیقی کا خاص ذوق تھا اس لئے ہر نظم کی ابتدا میں راگ راگنی کا نام بھی لکھ دیا ہے سارا کلام عاشقانہ ہے۔ لیکن کبھی کبھی اخلاقی نظمیں بھی کہی ہیں نمونۂ کلام یہ ہے:۔

محمود کیری بنتی صاحب اتنی مانیں　　نبی محمد کی دوستی راکھیں مکھ کا پانیں

نینوں کا جل مکھ تنبولا ناک موتی گل ہار
سیس نماؤں نیہ اپاؤں اپنے پیر کروں جو ہار
(یعنے آنکھوں میں کاجل، منہ میں پان، ناک میں موتی، گلے میں ہار
اس سج دھج سے میں سر جھکاؤں، محبت کروں اور اپنے پیر کو آداب کروں)

کوئی مایلا مرم نہ بوجھے رے　　بات من کی کس نہ سوجھے رہے
دکھ جیو کا کس کہوں اللہ دکھ بھریا سب کوئی رے
بڑ ددکھی جگ میں کو نہیں میں پرتی پھر پھر جوئی رے
(یعنے اے اللہ میں اپنے جی کا دکھ کس سے کہوں، سب کوئی
دکھ بھرے ہیں۔ میں نے دنیا جہان میں پھر پھر کے دیکھا کوئی
ایسا نہ ملا جو دکھی نہ ہو)

جا ری پھوڑ سنور بنی کیسی　　اک تل آنکھ نہ لائی
(اے پھوڑ دور ہو، یہ تو کس لئے بنی سنوری ہے جبکہ تو نے
ایک لمحے کے لئے کسی سے آنکھ نہیں لگائی یعنی عاشق نہ ہوئی)
آج سر سجن گھر آیا　　کیوں نہ کروں مہمانی

پانچوں وقت نماز گزاروں دائم پڑھوں قرآن
کھاؤ حلال بولو مکھ ساچا راکھو درست ایمان
چھوڑ جنجال جھوٹی سب مایا جی من ہووے گیان
کلمہ شہادت مکھ بسارو جس تھے چھوٹو ندھان

دین دُنی کی نعمت پادُ جنت راکھو شانوں
محمود دکھ تیس تل نہ بسارے اپنے دھنی کا ناؤں

شاہ علی محمد جیو گام دھنی

شاہ علی محمد جیو گام دھنی کا مولد و منشا گجرات ہے آپ گجرات کے کامل عارفوں اور درویشوں میں سے ہیں۔ اہل گجرات پر آپ کی تعلیم و ہدایت کا بہت اثر تھا۔ آپ کا انتقال سنہ ۱۵۱۵ء / ۹۲۳ ہجری میں ہوا۔

آپ کے کلام کا مجموعہ جو "جواہر اسرار اللہ" کے نام سے موسوم ہے آپ کے داداکے ایک مرید اور آپ کے معتقد شیخ حبیب اللہ نے جمع کیا ہے۔ اسی کلام کا دوسرا نسخہ آپ کے پوتے سید ابراہیم نے مرتب کیا ہے۔ شاہ علی جیو نچے پایہ کے شاعر ہیں۔ ان کا کلام توحید اور وحدت وجود سے بھرا ہوا ہے اور اگرچہ وحدت وجود کے مسئلے کو وہ معمولی باتوں اور تمثیلوں میں بیان کرتے ہیں مگر ان کے بیان اور الفاظ میں پریم کا رس گھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ وہ عاشق ہیں اور خدا معشوق ہے اور اپنی محبت کو طرح طرح سے جتاتے ہیں۔ طرز کلام ہندی شعرا کا سا ہے اور عورت کی طرف سے خطاب ہے۔ زبان سادہ ہے لیکن چونکہ پرانی ہے اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے گئے۔ اس لئے کہیں کہیں سمجھنے میں مشکل پڑتی ہے چند آسان نمونے پیش کرتا ہوں۔

تم ری پیا کو دیکھو جیسا ہور جیوں پر کھو سائیں ایسا
سوئے تجیں ہوناں وہ ایسا

ایک سمندسات کہاوے دھونس بادل ہیہ برساوے
دہی سمند ہو بوند دکھاوے ندیاں نالے ہو کر چلے

دیو ملاگل لاگ رہی ہے   سکھ منہ[1] دکھ کی بات نہ کیجے

جے ہے سو ہے نہیں نہیں   چھٹ ایک دہی ہے سہو کہیں

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے   کہیں سو لیلیٰ ہوے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے   کہیں سو شیریں ہو کر آوے

ادھر پنواتی چک[2] رتناتی[3]   بینی باسک[4] ہور تل کالی
ایسہ جیو ماتگیں بہویں دمالی[5]

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں   آپیں آپس لے گل لاؤں

مجیس بندوں کے کر سو بندگی ادبھا ہو نماز گزاروں
ہوں حاجی ہوں کعبہ ہوں آپیں آپس اوپر داروں

کہیں سو ہوئے اندھیاری راتا   سانخ بتی کر لاوے دھاتا
ہو کر دیورا راتیں ساری   لاکر جوت دکھاوے ساری
کہیں سو عاشق ہو کر راؤں کہیں عارف ہوئے پچھانوں
کہیں موحد کہیں محقق کہیں سو جانوں کہیں نجانوں

---

[1] میں [2] ہونٹ [3] پان کھائے ہوئے [4] آنکھ [5] سرخ [6] سانپ
[7] دنبالہ دار [8] اٹھ اٹھ کر

جو جیوڑا پیو سوں لاگا ہئے جس نہہ کی آگا
تنھوں کا لوجہ سب بھاگا

جنھوں من پرم کا بھٹکا تلیں تل نہہ کا کھڑکا
سو جانے مرم کا ٹکا

خوب محمد چشتی ایک اور بزرگ میاں خوب محمد چشتی ہیں۔ یہ بھی احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار وہاں کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہے۔ خصوصاً تصوف میں دست رسا رکھتے تھے۔ صاحب تصانیف اور صاحب سخن تھے۔ آپ کی ولادت سنہ ۱۵۳۹ء/۹۴۶ھ میں اور وفات سنہ ۱۶۱۴ء/۱۰۲۳ھ میں ہوئی "خوش" سے تاریخ ولادت اور "خوب تھے" سے تاریخ وصال نکلتی ہے۔

تصوف میں ان کی کئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے بعض میرے پاس ہیں ایک رسالہ "بھاؤ بھید" صنایع بدایع کلام میں ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں "گفتہ صنایع بدایع را زبان گجرات از جہت یاد داشت می گویم، امید بہ حضرت صانع و بدیع چنانست کہ مقبول گرداند۔ (دوہرہ۔)

حمد خدا کی خوب کر کہہ صلوۃ رسول
پچیس صنعت شعر کی کہے تو ہوئے قبول

اما بعد اس رسالہ بخطاب "بھاؤ بھید" مخاطب شدہ است در بیان تلونات کلام و انواع مفہومات نظام۔

دوہرہ ۱۔

بھاؤ بھید اس نانو کربات بکٹ سمجھائن
بھاؤ بھید کے شعر کے خوب جو جھ آپ آئن

اگرچہ تشریح ہر صنعت کی فارسی میں کی ہے لیکن اس کا مفہوم گجراتی اردو میں بھی ادا کیا ہے۔ مثالیں گجراتی اردو میں ہیں اور یہ تمام مثالیں منظوم اور خود اپنی تصنیف سے ہیں۔ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صنعت متضاد، آنست کہ الفاظ چند ضد یدیگر باشند، مثال
دھیان خدا کا پکڑ جو چھوڑے اسے کہیں جگ ما نہہ
بھلا برا ہو تریا دیکھو سبل نبل اسس کٹھا نہہ
عقدہ:۔ تن پائیں دی رج بسلائے یا دھرا کے اک کلال
خوب ملیں صندلی رنگ نیلے پیلے کالے لال

صنعت تفریق تنہا آنست کہ میان دو چیز جدائی افکند، مثال
میں خوب تفریق تنہا پچھان
جدائی دو ہوں ماتہ اس بھانت آن
کنول نکہ جبل بن جدائی ایک بات
کنول دیس پھول ہے فین یہ دیس رات

ان کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب "خوب ترنگ" ہے جس کا سنہ تصنیف انھوں نے خود اسی تصنیف میں بتادیا ہے " چودہ گھاٹ ادس برس ہزار" یعنی نو سو چھیاسی ۹۸۶ ہجری۔ خوب ترنگ خالص تصوف کی کتاب ہے۔ شاہ علی محمد جیو کی کتاب " جواہر اسرار اللہ" اس سے مختلف ہے اس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے خوب ترنگ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں

تصوّف کے مقامات کا بیان ہے ۔ میاں خوب محمد عالم اور سالک ہیں
تصوف کے نکات کے ماہر اور بہت اچھے ناظم ہیں ۔ انھوں نے اپنی اس کتاب
کی شرح فارسی میں "امواج خوبی" کے نام سے لکھی ہے ۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :۔

حمد ونعت

بسم اللہ کہوں جھٹ ذات
جس رحمان رحیم صفات
ذات صفات اسما افعال
جمع مفصل چند اک حال
ناؤ محمد تس کو دیت
اس تفصیل سو عالم کیت
اسی روح ارواح تمام
اسی جوش کے سب اجسام

جوں کھلہلیا سمند چھپائے
جانے سب دریائے جائے
نوک نہیں دریا بن پار
بھرے تو نوکھ کی مقدار
جیوں ظاہر بھنتیاں کہلائیں
پن ایٹاں اس بھانت دکھائیں

ل جُثہ

ذرے مسل اک ٹولا[1] ٹھانہ
ناؤں دھریا ہے اینٹ سو تانہ
جو ہر عرض سو ذرہ جان
تلتل پھرے عرض من آن
جس کو وہم کرے نہیں ددے
ڈاوا[2] جمنا[3] جسے نہ ہوے

بابا شاہ حسینی بابا شاہ حسینی معروف بہ پیر بادشاہ بھی ایک بزرگ ہوئے ہیں جو صاحب دیوان ہیں اور حضرت شاہ علی جیو کے مرید و معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ دیوان کے خاتمے پر شاہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

شاہ علی جیو جگ پرور تم ہو میرے لال
نازک نہال ہے شاہ حسینی راکھو تم سنبھال
دنیا فانی سراب کی نالاگی اس کو جھال

ان کا کلام صوفیانہ اور عارفانہ ہے۔

اس صاحب تناسوں دیکھو جب صدا ہوا
ہر عبد تھے جواب سو قالو بلا ہوا

غزل

رو برو ہی تہر درس بے نقاب
دیک ناسک بولتے ہیں در حجاب

---

[1] مجموعہ (۲) بائیں (۳) دائیں

تس اوپر رکھتے ہیں خواہش دید کی
دید کر آپس کا مانند حباب
اس عبادت بیچ نین ہے حق رسی
حوض مسجد کا کریں پانی خراب
حق رسی کی ہے عبادت مین دید
جوں صنم کا بتلا مست شراب
دل تر از آب ریا ظاہر منے
بہر استنجا رہیں دربیچ و تاب
گھر سے نکلیں رہ گزر کی دید کوں
وقت جاتا گر جماعت کا شتاب
طعنہ زن نیں ہے حسینی پر عباد
دل سیں کرتا ہے ایس کے یوں خطاب

میں نے اس مضمون میں گیارہ صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے بزرگوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ گیارھویں صدی اور اس کے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی اور اس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے۔

گجرات و بیجاپور کے بزرگوں کے سلسلے میں ایک بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ دلی سے جو زبان جنوب کی طرف گئی اس کی دو شاخیں ہو گئیں، دکن میں گئی تو دکنی لہجے اور الفاظ کے داخل ہونے سے دکنی کہلائی اور گجرات میں پہنچی تو وہاں کی مقامی خصوصیت کی وجہ سے گجری یا گجراتی کہی جانے لگی۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ شاہ میراں جی اور شاہ برہان نے

ہندی میں لکھنے کی معذرت کی اور جس زبان میں انھوں نے نظمیں تحریر فرمائی ہیں اُسے ہندی سے موسوم فرماتے ہیں۔ یہاں ہندی کا لفظ فارسی کے مقابلے میں استعمال کیا گیا ہے۔ عام طور پر ہر دیسی زبان ہندی کہی جاتی تھی۔ یہ زبان جو بعد میں ریختہ اور اب اردو کے نام سے معروف ہے ایک مدت تک ہندی ہی کے نام سے موسوم رہی، چنانچہ میر تقی میر حسن یہاں تک کہ مصحفی اپنے تذکروں کو سخن آفرینان ہندی اور سخن گویان ہندی کے تذکرے کہتے ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ باپ بیٹے (شاہ میراں جی اور شاہ برہان) جو ہندی میں لکھنے کی معذرت کرتے ہیں دوسرے مقامات پر اپنی زبان گجری یا گجراتی کہتے ہیں۔ چنانچہ شاہ برہان اپنی کتاب "کلمۃ الحقائق" میں فرماتے ہیں:-

"سبب یو زبان گجری نام ایں کتاب کلمۃ الحقائق"

اپنی ایک دوسری تصنیف "حجۃ البقا" میں لکھتے ہیں:-

جے ہو دیں گیان بچاری   نہ دیکھیں بھاکا گجری
جس ارتھوں کیر افہام   کیا بولوں سو ہے کام

یہی بزرگ اپنی ایک دوسری کتاب "ارشاد نامہ" میں کہتے ہیں:-

یہ سب گجری زباں   کریہ آئینہ دیا نماں

شاہ علی محمد جیو کے کلام جواہر الاسرار کے مرتب شیخ حبیب اللہ اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "بہ لسان دُر بار و جوہر نثار بہ الفاظ گوجری بہ طریق نظم بزبان مبارک محمد فرمودند"۔ شیخ خوب محمد بھی اپنی کتاب کی زبان کے متعلق فرماتے ہیں:-

جیوں میری بولی منہ بات
عرب عجم مل ایک منگات

"جیوں میری بولی منہ بات" کا مطلب یہ ہے کہ وہ بولی جو میرے روزمرہ کی بول چال ہے۔ اس کی شرح "امواج خوبی" میں یوں کی ہے" ہر یک شعرے بزبان خود تصنیف کردہ اند ومی کنند، من بزبان گجرات کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است گفتہ ام" یعنی ان کی زبان وہ ہے جس میں گجراتی کے ساتھ عربی فارسی الفاظ کی آمیزش ہے۔ اس آمیزش کا نام ریختہ ہے۔
"بھاد بھید" کی تمہید میں لکھتے ہیں "صنائع بدائع را بزبان گجرات از جہت یاد داشت می گوئم"
ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

جیوں دل عرب عجم کی بات
سن بولے بولی گجرات

یہاں بھی اپنی زبان کو گجراتی کہا ہے
شاہ برہان کا ایک جگہ اپنی زبان کو ہندی کہنا اور دوسری جگہ گجری کہنا بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ بات نہیں۔ ہندی عام ہے یعنے وہ زبان جو ہر جگہ مستعمل تھی۔ ہندی ہی کے نام سے موسوم تھی گجری اور گجراتی خاص ہے یعنی وہ زبان جو گجرات اور اس کے قرب وجوار کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اور جس میں کچھ مقامی لفظ بھی داخل ہو گئے تھے۔ زبان ایک ہے، دکن میں دکنی کہنے لگے اور گجرات میں گجری اور گجراتی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن میں کہیں مقامی رنگ کی جھلک نظر آجاتی ہے۔
اگرچہ میراں جی شاہ اور برہان شاہ اپنی زبان کو گجری بھی کہتے ہیں

لیکن ان پر گجراتی کا اتنا اثر نہیں جتنا قاضی محمود دریائی شیخ علی محمد یا میاں خوب محمد کی زبان میں پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پھر بھی گجرات سے دور تھے اور یہ دونوں صاحب خاص احمد آباد گجرات کے رہنے والے تھے اور اسی لئے ان کے ہاں بہت سے ٹھیٹ گجراتی لفظ استعمال ہوئے ہیں جو بیجاپوری بزرگوں کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً ہوں بمعنی میں (ضمیر واحد متکلم) ڈوسی (ڈوڈشی) بمعنی بڑھیا، اونڈا، گہرا، چھولی، چھوٹ، موج، ہب یا ہبیں (ہوئے) جمنا، دایاں، پپوٹے (فوفولے) جاب وغیرہ، محض اس ذرا سے فرق کی بنا پر اسے گجراتی کا نام دے دیا گیا تھا۔

میں نے آپ کے سامنے آٹھویں نویں اور دسویں صدی اور ایک دو گیارھویں صدی کے زمانے کے نمونے پیش کئے ہیں۔ یہ سب صوفیا کے کلام میں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ قدما کے اقوال جو کسی خاص سوال کے جواب میں یا معمولی گفتگو میں آئے ہیں وہ خالص ہندی میں ہیں۔ ان میں شاذ و نادر فارسی عربی لفظ نظ آتے ہیں۔ ابتدائی کلام بھی سادہ ہندی ہے۔ خصوصاً جو صوفی سماع کا ذوق رکھتے تھے اور شاعر بھی تھے ہندی دوہرے، اور خیال وغیرہ اسی زبان میں کہتے تھے۔ لیکن ان میں بھی کبھی کبھی اپنے ہاں کے عارفانہ الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ جب انھیں اپنے مریدوں اور معتقدوں کی ہدایت کے لئے نظم و نثر میں رسالے لکھنے کی ضرورت پڑی یا معرفت و سلوک میں سوالات کے جواب لکھنے پڑے تو وہ اپنی مذہبی اصطلاحات ہندی تصوف کے الفاظ کے ساتھ ساتھ بے تکلف استعمال کرنے لگے یہاں تک کہ حمد و نعت میں بھی عربی کے خاص الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے مذہبی لفظ بھی بے ساختہ لکھ گئے ہیں۔ اس رواداری سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان

کی ہدایت عام اور وسیع ہو۔ جس طرح انھوں نے ملک کے حالات کے لحاظ
سے بعض ظاہری قیود کو توڑ کر اہل ملک سے ارتباط اور میل جول بڑھانے اور
ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی اسی نظر سے انھوں نے ان کی اور
اپنی زبانوں کو بھی ملانا شروع کیا۔ ان کی نظموں کی بحریں (اکثر و بیشتر) ہندی
ہیں، طرز بھی نظموں کا ہندی ہے یہاں تک کہ کبھی کبھی ہندی دیومالا کی
تلمیحیں اور استعارے بھی استعمال کر جاتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ اپنی
چیزوں کو بھی ملاتے جاتے ہیں۔ ہوتے ہوتے اس میل اور ارتباط سے خود بخود
ایک نئی زبان بن گئی جو نہ ہندی تھی نہ فارسی، بلکہ ایک نئی مخلوط زبان
تھی جسے ہم اب اردو یا ہندستانی کہتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی نظموں میں عروض و قافیہ اور نظم کے اصول و قواعد کی
پروا نہیں کرتے۔ اکثر مصرع کو کھینچ تان کر سکتہ پورا کر لیتے ہیں (جیسے سر کو
سیر اور فکر کو فکیر) ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن کر لینا ان کے ہاں
کوئی بات نہیں۔ اشباع و امالہ، ترخیم و تخفیف کا بلاتکلف استعمال کر جاتے
ہیں۔ قافیہ میں صرف صوت کا خیال کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے
کہ آوازیں بھی ایک نہیں تو بھی بلا تامل قافیہ باندھ جاتے ہیں۔ مثلاً خالق کا
قافیہ مالک اس بنیاد پر روا ہو سکتا ہے کہ ہندی میں ق اور ک کی آوازمیں
چنداں فرق نہیں کیا جاتا لیکن عارف کا صادق فرق کا طرف، عشاق کا کشاف
شرت کا فرق، انصاف کا پاس قافیہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ بزرگ اس کی
پروا نہیں کرتے جن عربی الفاظ کے آخر میں ح اور ع آتے ہیں ان میں ان
حروف کا تلفظ اکثر اہل ہند نہیں کرتے۔ اسی بنا پر بعض بزرگوں نے گرو کا قافیہ
شرو (شروع) اور صحی (صحیح) کا قافیہ کوئی باندھ دیا ہے وہ ان چیزوں

کا اس لئے خیال نہیں کرتے تھے کہ انھیں اپنا کلام اور اپنی ہدایت عوام تک پہنچانی تھی اور یہ سب چیزیں انھیں کی زبان میں انھیں کے لئے لکھتے اور کہتے تھے۔

ہندی یا اس نومولود زبان میں لکھنا اہل علم اپنے لئے باعث عار سمجھتے تھے اور وہ اپنی عالمانہ تصانیف کو اس حقیر اور بازاری زبان کے استعمال سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یہ صوفی ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے جرأت کی اور اس کفر کو توڑا۔ اصل صوفی ظاہری ننگ وعار سے بالاہوتا ہے۔ اس نے پھر ایک بار یہ دکھا دیا کہ حقیر سی حقیر چیز سے بھی کیسے کیسے اچھے کام نکل سکتے ہیں۔ یہ صوفیوں ہی کی جرأت کا فیض تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی جو پہلے ہچکچاتے تھے اس کا استعمال شعر وسخن، مذہب وتعلیم اور علم وحکمت کے اغراض کے لئے شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان صوفیائے کرام کو اردو کا محسن خیال کرتا ہوں۔

یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی۔ گو یہ اب ایک بھولی بسری داستان ہے لیکن اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو کبھی نہیں بھول سکتا۔

حضرت کبیر میں اس مضمون کو حضرت کبیر کا ذکر کئے بغیر ختم نہیں کر سکتا

یہ بنارس کے رہنے والے تھے ان کے زمانے کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہے ابوالفضل اور دوسرے مورخوں نے انھیں سکندر لودھی کا ہمعصر بتایا ہے جو نویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہوتا ہے۔ کبیر سچے صوفی اور عارف ہیں۔ انھوں نے معرفت الہٰی، دنیا کی بے ثباتی وغیرہ پر خوب خوب نظمیں لکھی ہیں۔ وہ ریا اور ظاہرداری کے سخت دشمن ہیں اور شیخ و برہمن دونوں کو یکساں لتاڑتے ہیں۔ وہ شاعر بھی اعلیٰ درجے کے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی اور شیرینی ہے اور اس کے ساتھ ہی اثر، جدّت اور زور بھی ہے۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین کو اپنی روزمرہ کی سادہ زبان میں معمولی تمثیلوں اور تشبیہات واستعارات کے ذریعے اس خوبی اور صفائی سے بیان کر جاتے ہیں کہ دل پہ چوٹ لگتی ہے۔ وہ بہت دلیر اور جری بھی ہیں۔ اور کڑوی سے کڑوی بات کو صاف صاف بے دھڑک کہہ جاتے ہیں۔ لاگ لپیٹ ان میں نام کو نہیں۔ وہ جو کہتے ہیں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں اور کسی کی مروت نہیں کرتے اور ہندو مسلمان سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُن کے کلام اور زبان کی سادگی و تاثیر اور صداقت و خلوص نے انھیں دونوں فرقوں میں یکساں مقبول بنا دیا ہے ہندو انھیں کبیر داس اور مسلمان شاہ کبیر کہتے ہیں۔ ان کی زبان جیسا کہ ان کا وطن بتاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، پوربی ہے۔

میری بولی پوربی تاہی نہ چینھے کوئے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

لیکن ان کی پوربی گوسائیں تلسی داس یا ملک محمد جائسی کی سی پوربی نہیں کہ جن کے کلام کے سمجھنے کے لئے شرح کی ضرورت ہے۔ کبیر کا کلام جنوبی ہند کے بعض علاقوں کو چھوڑ کر ہندستان کے ہر حصے میں آسانی سے سمجھا جا سکتا

ہے. تلسی داس اور ملک محمد جائسی کی زبان پرانی اور مردہ ہو جائے گی لیکن کبیر کا کلام ہمیشہ تازہ اور ہرا بھرا رہے گا. یہی وہ زبان تھی جو نویں اور دسویں صدی ہجری میں ہندستان کے تقریباً ہر خطے میں بولی یا سمجھی جاتی تھی اور اسے ہندستان کی عام زبان ہونے کا فخر حاصل تھا. حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبانوں کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کر دیا ہے. یہیں سے اردو یا ہندستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اس زبان کے اولین بانیوں میں سے ہیں جو ہندستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے. بلاشبہ ان کے خیالات اعلیٰ اور ان کا خلوص بے ریا ہے اور ایسے شخص کا اثر ہونا لازم ہے. لیکن اس کی زبان نے اس کے اثر کو زیادہ گہرا کر دیا اور ان کی سادگی میں حلاوت پیدا کر دی ہے اور ان کی محبوبیت اور مقبولیت کو دہ چند کر دیا ہے. وہ عربی فارسی الفاظ بلا تکلف اور بڑے موقع سے استعمال کرتے ہیں اور اب بھی کئی سو برس کے بعد جب ہم ان کا کلام پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کہنے والا ہمارے زمانے کا شخص ہے. یہ پھل اس پیڑ کا ہے جو انھوں نے ہندی پر فارسی کی قلم باندھ کر لگایا تھا. کلام کا نمونہ ملاحظہ کیجیے.

(۱)

رہنا نہیں دیس بیگانا ہے
یہ سنسار کاگد[۱] کی پڑیا ہے
بوند پڑے گھل جانا ہے

---

[۱] کاغذ

(۲) بہت دنن بچھڑے ہری پائے
بھاگ بڑے گھر بیٹھے آئے

(۳) جاگ پیاری اب کا سووے
رین گئی دن کاہے کھووے

(۴) مرے تو مرجایئے چھوٹ پڑے جنجار[۱]
ایسا مرنا کو مرے، دن میں سوسو بار

(۵) کبیر یہ گھر پریم کا خالہ کا گھر ناہیں
سیس اتارے ہاتھ سے سو بیٹھے گھر ماہیں

(۶) ایسا کوئی نا ملے جاسوں رہے لاگ
سب جگ جلتا دیکھیے اپنی اپنی آگ

(۷) بیٹھا کہاں مدھوکری بھانت بھانت کو ناج
دعوئی کس ہی کا نہیں بنا ولایت راج

(۸) کبیر اس سنسار کو سمجھاؤں کے بار
پونچ تو پکڑے بھیڑ کی اترا چاہے پار

(۹) کبیر نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے
اے پورپٹن اے گلی پھیر نہ دیکھو آئے

(۱۰) میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے میرا

(۱۱) کبیر سکھ کو جائے تھا آگے آیا دکھ
جلی سکھ گھر اپنے ہم جانیں اور دکھ

---

[۱] جنجال

(۱۲) کبیر ایک نہ جانیا تو بہو جانیا کیا ہوئے
ایک ہی تیں سب ہوت ہے سب تے ایک نہ ہوئے

(۱۳) ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلے جوں گھاس
سب تن جلتا دیکھ بھیا کبیر اداس

(۱۴) کبیر حد کے جیو سوں ہت کر مکھوں نہ بول
جے لاگے بے حد سوں تن سوں انتر کھول

(۱۵) کبیر ناؤ ہے جرجری کوڑے کھیون ہار
ہلکے ہلکے تر گئے بوڑے جن سر بھار

(۱۶) سکھیا سب سنسار ہے کھائے اور سوئے
دکھیا داس کبیر ہے جاگے اور روئے

(۱۷) کبیر بھاٹی کلال کی بہت ایک بیٹھے آئے
سر سونپے سوئی پیے نہیں تو پیا نہ جائے

(۱۸) چلو چلو سب کوئی کہے مو ہی اندیسہ اور
صاحب سوں پرچا نہیں جائیں گے کس ٹھور

———شہ———

ملہ بیوقوف سے ڈوبے

انجمن کی مطبوعات

- اردو ہندی ڈکشنری مرتبہ انجمن قیمت ۲۰/-

۱- اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ — ڈاکٹر محمد عزیر ” ۵/۸

۲- باپو کے قدموں میں — ڈاکٹر راجندر پرشاد ” ۱۵/

۴- سیاسیات کے اصول — ہارون خاں شروانی

۵- حصہ اول قیمت ۲/- حصہ دوم ” ۲/-

حصہ سوم ” ۱/-

۶ کاروانِ معیشت — نجم الدین شکیب ” ۶/۸

۷- دھمپد — منور لکھنوی ” ۳/

۸- مرقع افغان — ابرار حسین فاروقی ” ۳/۴

۹ ہندی ادب کی تاریخ — ڈاکٹر محمد حسن ” ۵/۸

۱۰- قومی تہذیب کا مسئلہ — ڈاکٹر سید عابد حسین ” ۶/-

۱۱- ہندستانی سماجیات — ڈاکٹر جعفر حسین ” ۴/۸

۱۲ ادبی قومی تذکرے — کشن پرشاد کول حصہ اول ” ۶/۸

۱۳ ” ” ” ” حصہ دوم ” ۴/۸

۱۴ اسلامی فنِ تعمیر — سید مبارز الدین رفعت ” ۶/-

۱۵ کچھ زر کی بابت — ابو سالم ” ۷/۸

۱۶- نفسیات افواہ — ولی الرحمٰن قیمت ۱/۱۲

۱۷- اطلاقی سماجیات — ڈاکٹر جعفر حسن ” ۴/۸

۱۸- انواع فلسفہ — ظفر حسین خاں ” ۵/۸

۱۹- ایک مشرقی کتب خانہ — مبارز الدین رفعت ” ۳/-

۲۰- مذہب اور دھرم — مہاتما گاندھی ” ۴/-

۲۱- مشترکہ زبان — ” ” ۴/۸

۲۲- پرچھائیں — آصف علی ” ۴/-

۲۳- حیاتِ سرسید — نور الرحمٰن ” ۳/۸

۲۴- حیات اجمل — قاضی عبد الغفار ” ۸/-

۲۵- محاسن کلامِ غالب — ڈاکٹر بجنوری ” ۱/۴

۲۶- میر تقی میر — خواجہ احمد فاروقی ” ۱۲/-

۲۷- احوالِ غالب — مختار الدین آرزو ” ۹/-

۲۸- نقد غالب — ” ” ” ۱۰/-

۲۹- یادگار حالی — صالحہ عابد حسین ” ۴/۴

۳۰- انتخاب جدید — آل احمد سرور ” ۲/۸

۳۱- اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام — عبد الحق ” ۱/-

انجمن ترقی اردو ہند - علی گڑھ